بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی۔ فلسفی۔ معاشرتی۔ سیاسی اور
اصلاحی مضامین کا مجموعہ

مصنّف

راجہ محمد تاج بی، اے

E-۳۵۷/ل ڈھوک الٰہی بخش راولپنڈی

کتابہ: محمد خالد ...

Printed by AUTOPRINT 182. Arndale Centre, LUTON, Beds.

دیباچہ

یہ میری پہلی پیش کش ہے۔اس کو شائع کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ اگرچہ اسلام اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر لاتعداد کتابیں دستیاب ہیں۔لیکن ان میں سے کوئی کتاب حالات حاضرہ کے مسائل اور معاشی وملی زندگی کے عملی پہلوؤں کے متعلق جدید نسل کے ذہنوں میں پیدا ہونیوالے گوناگوں سوالات وشبہات کا جواب پیش نہیں کرتیں۔اسی مقصد کے پیش نظر اس کتاب میں حالات حاضرہ کی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور وقت کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے میں نے سیرت وکردار اور نفسیات و اخلاق پر مبنی اسلامی مضامین پر قلم اٹھایا۔

اس کتاب میں وہ اصول بھی بتائے گئے ہیں۔جن کے تحت انسان دائرہ اسلام کی حدود میں رہ کر بہترین زندگی بسر کر سکتا ہے۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں جب راولپنڈی کی مختلف اخبارات کے کالموں میں شائع کیا گیا تو قارئین کرام نے اصرار اور فرمائشیں شروع کر دیں۔کہ نادر مضامین کو کتابی شکل میں پیش کیا جائے۔

اس کتاب کا موضوع بحث یہ ہے کہ اخلاق اور انسانیت کے محرکات کیا ہیں کن اصولوں پر کاربند رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیئے اسلام کے بنیادی مسائل اور ان کے حل پر مفصل تبصرہ ہے۔

قارئین کرام اسے پڑھنے کے بعد یہ رائے قائم کر سکیں گے کہ یہ کتاب اصلاح معاشرے کے لئے کس قدر مفید ہے؟ چراغ راہ طلباء کے ذہنوں میں اسلام اور سائنس اور عصر حاضر کے اسلامی حل کے متعلق گوناگوں سوالات کا جواب دیتی ہے امید ہے کہ ہم عصر مصنفین بھی اس ڈگر پر مسائل حاضرہ کا اسلامی اور عقلی حل پیش کرنے کی سعی کریں گے۔ درحقیقت یہ قوم کی خدمت میں نذرانہ عقیدت ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف!

مصنف ومولف:۔ راجہ محمد تاج بی اے

اظہارِ رائے

آج کل لوگ اسلامی اصولوں سے انحراف کر رہے ہیں۔ اسلام کی بجائے لوگ رسومات و رسم پرستی کا شکار ہیں۔ ان حالات میں اسلام کی خدمت کانٹوں سے اُلجھ کر پھول توڑنے کے مترادف ہے۔ میں نے "چراغ راہ" کے تمام مضامین پڑھے ہیں۔

مصنف نے اسلامی زندگی کے مختلف پہلوؤں حالات حاضرہ، اسلام اور سائنس پر اسلامی نقطۂ نظر سے مدلل و مفصل روشنی ڈالی ہے۔ انداز تحریر نہایت دلچسپ اور سلجھا ہوا ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کے لئے یہ کتاب مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ راجہ محمد تاج صاحب کو تادیر زندہ و سلامت رکھے اور ہمیں اسلام کی ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین! ثم آمین!

عبدالرافع ضیاء دارالعلوم جامعہ اشرفیہ لاہور فاضل فارسی بی اے فائنل
ٹیچر گورنمنٹ ڈینیز ہائی اسکول صدر راولپنڈی

تبصرہ

"چراغ راہ" کو میں نے جستہ جستہ پڑھا ہے۔ اس میں اچھے لوگوں کے مقدس تذکرے شامل ہیں۔ اس اعتبار سے راجہ محمد تاج صاحب کی یہ خوبصورت تصنیف راہ مستقیم سے بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے یقیناً چراغ راہ ہے۔ خدا کرے اس کتاب کے مطالعہ سے میرے جیسے لوگوں کے ویران دل بھی جگمگانے لگیں۔ وہ لوگ بلاشبہ عظیم ہیں۔ جنہیں روشنی پھیلانے کی بے ریا آرزو بے قرار رکھتی ہے۔ ان میں سے کوئی من موہنی بات کرکے اور کچھ صرف مسکرا کر ہی تاریکیاں دُور دھکیل دیتے ہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اچھی سوچ اور نیک، نیت کی نعمت عطا کی ہے وہ چراغ راہ جیسی اثر انگیز کتابیں لکھ کر ظلمتوں کے خلاف جہاد جاری رکھتے ہیں ایسے سب لوگ بڑے پیارے، بڑے محبوب اور پُرخلوص ہوتے ہیں اور قاری جب چراغ راہ پڑھیں گے۔ تو وہ اس کے معزز مصنف کو بھی وفا کے ساغر سے سرشار انسانوں میں شمار کئے بغیر نہ رہیں گے۔

میں تاج صاحب سے صرف یہ کہوں گا، کہ وہ صرف ایک چراغ پر اکتفا نہ کریں یہ دُنیا بڑی ہی تاریک ہے۔ اس لئے انہیں چراغ سے چراغ جلانے کا عمل جاری رکھنا چاہیئے۔

بشیر احمد سوہاوی ادارۂ تحریر روزنامہ تعمیر راولپنڈی

۲ر اکتوبر ۱۹۷۳ء بشیر سوہاوی

اظہارِ خیال

"چراغ راہ" راجہ محمد تاج صاحب بی۔ اے کی تصنیف ہے اس کے اکثر مضامین روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں شائع ہو چکے ہیں اور میری نظر سے گزرے ہیں۔

اس کتاب کے مضامین کا مقصد معاشرے میں نیک عادات و اطوار پیدا کرنا ہے اس مقصد کے لئے اردو میں بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن ایک تو ان کتابوں کی زبان اکثر و بیشتر اتنی ثقیل ہوتی ہیں۔ کہ عام پڑھے لکھے اس سے کماحقہ مستفید نہیں ہو سکتے اور دوسری یہ کتابیں اتنی طویل ہوتی ہیں کہ مصروفیت اور افراتفری کے موجودہ دور میں انسان کو اس کے مطالعہ کی فرصت ہی نہیں ملتی ان حالات میں راجہ محمد تاج صاحب کی یہ کتاب اپنی قسم کی نئی چیز ہے کیونکہ اس میں سادہ زبان اور سلیس انداز میں ایسے مختصر مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ جن کو پڑھنے کے لئے زیادہ وقت کی ضرورت تو نہیں لیکن قاری پر اپنا اثر ضرور کرتے ہیں۔

راجہ محمد تاج صاحب نے اپنے ان مضامین میں معاشرے کے کم و بیش تمام پہلوؤں پر اپنے خاص انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قارئین تک اپنا مقصد و منشاء پہنچانے میں کامیاب رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ مختصر سی کتاب عام قارئین میں بالعموم اور اسلامی ذہن رکھنے والوں میں بالخصوص مقبول ہو گی۔

میں یہ کتاب لکھنے پر راجہ محمد تاج صاحب کی خدمت میں دلی ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ان کی یہ کتاب مقبول ہو تاکہ وہ اس قسم کی اور مفید کتابیں لکھ سکیں۔

محمد فاضل ادارۂ تحریر روزنامہ تعمیر راولپنڈی

۲؍اکتوبر ۱۹۷۳ء محمد فاضل

مُسلمان ہونے کی شرائط

ہر مُسلمان کے لئے لفظ مسلمان کے معنی جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ اگر اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کس طرح ہوتا ہے تو وہ غیر مسلموں کی سی حرکات کرے گا لہٰذا ہر مسلمان خواہ وہ بچّہ ہو یا بڑا اسے اس حقیقت سے واقف ہونا چاہئیے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کے فرائض کیا ہیں ؟ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ اسلام کی حدود کیا ہیں۔ جن کے اندر رہنے سے آدمی مُسلمان ہوتا ہے اور جن کے باہر قدم رکھتے ہی انسان اسلام کی حدود سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسلام کے معنی ہیں۔ خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری جو شخص اپنے سارے معاملات خدا کے حوالے کر دے وہ مسلمان ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے معاملات خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کر دے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جو شخص قرآن اور سنت پر انحصار کرتا ہے اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے قرآن اور حدیث کی ہدایت کے مطابق عمل کرتا ہے وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہے جو شخص قرآن اور حدیث پر انحصار نہیں کرتا وہ ہرگز مسلمان نہیں۔ ایک انسان جب یہ اقرار کرتا ہے کہ۔ "نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ، حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں .... " تو وہ مسلمان ہونے کا ہی اقرار کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے قانون صرف خدا کا قانون ہے اسے صرف خدا کی اطاعت کرنی ہے۔ مسلمانوں کو دُنیا کے دساتیر اور اپنی رائے کو ترک کر کے قرآن و حدیث کے مطابق عمل کرنا چاہئیے اسلام میں خاندان یا کسی بزرگ کا قانون نہیں چل سکتا جو شخص اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن و سنّت کا تاج بنانے سے انکار کرے اور خدا اور رسولؐ کے مقابلے میں اپنی عقل یا کسی انسان کے قول و عمل کو پیش کرے۔ وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ خدا کے کلام اور اس کے رسول کی سنت کو حق و

صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اس کے خلاف ہر عمل اور ہر چیز کو باطل سمجھنا اسلام کی حد ہے۔ اس حد میں جو شخص رہے وہی مسلمان ہے اس حد سے باہر قدم رکھتے ہی انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس کے بعد اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور مسلمان کہتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کو دھوکہ دیتا ہے اور دنیا کو بھی اپنے متعلق اندھیرے میں رکھتا ہے۔ کفر یہ ہے کہ انسان خدا کی فرمانبرداری سے انکار کر دے اور اسلام یہ ہے کہ انسان صرف خدا کا فرمانبردار ہو اور خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے خلاف ہر بات کو ماننے سے انکار کر دے خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ :۔

"جو شخص خُدا کی اُتاری ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کرے ایسے ہی لوگ دراصل کافر ہیں"۔

اسلام کے سوا کچھ نہیں ہے انسان کو نفس کا بندہ نہیں خدا تعالیٰ کا بندہ ہونا چاہیئے۔ ایک اور جگہ قرآن میں آیا ہے کہ "اے نبی! اہل کتاب سے کہو کہ آؤ، ہم تم ایک ایسی بات پر اتفاق کر لیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہیں یعنی جو تمہارے نبی بھی بتا گئے ہیں اور خدا کا نبی ہونے کی حیثیت سے میں بھی وہی بات کہتا ہوں وہ بات یہ ہے کہ ایک تو ہم اُسکے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں دوسرے یہ کہ اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کریں۔ اور تیسری بات یہ کہ ہم میں سے کوئی انسان کسی انسان کو خدا کی بجائے اپنا مالک اور آقا نہ بنائے یہ تین باتیں اگر وہ نہیں مانتے تو ان سے کہہ دو کہ گو انسان بندہ مسلمان ہیں"۔ انسان کو گمراہ کرنے والی چیز انسان کا اپنا نفس ہے جو شخص اپنے نفس کا بندہ بن گیا اس لئے خدا کا بننا مشکل ہے اس کو ہر وقت روپیہ۔ عزت۔ شہرت۔ عہدہ۔ اور جاہ و جلال کی فکر پڑی رہے گی۔ ایسے شخص کا خدا نہیں اپنا نفس ہی خدا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ خدا کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں۔ انہی کے مطابق زندگی بسر کریں کیونکہ ایک مسلمان کا اُٹھنا بیٹھنا جینا سب خدا کے لئے ہے اور اس کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔

اسلام کی اہمیت

خدا کے نزدیک حقیقی دین صرف اسلام ہے خدا کے نزدیک اصلی دین وہی ہے جس کا دستور الحیات قرآن اور حدیث کے مطابق ہو جو شخص بُری خواہشات کو دل میں نہ لائے مذہبی اور شرعی اصول و ضوابط کے تحت عمل کرے تو انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ خدمت کے لئے فرشتے مقرر ہوتے ہیں اگر کوئی نیک آدمی دنیا دی لذآت ترک کردے تو وہ پارسا ہے جب قطرۂ آب فنا ہو جاتا ہے تو وہ موتی بن جاتا ہے۔ یہ دنیا گناہوں کا گھر ہے۔ اگر کوئی انسان اس میں رہتے ہوئے گناہوں سے بچا رہے تو وہ ایک نیک انسان ہے جو انسان خدا کے لئے اپنی ذات کو فنا کردے وہی موج کمال پر پہنچ سکتا ہے۔!

یہ دنیا سپنے اور پانی کی لہر مانند ہے دنیا کے نقش ونگار دیکھنے کے قابل نہیں دنیا کے نقش ونگار جو نظر کو فریب اور دل کو دھوکہ دیتے ہیں دنیا دل لگانے کے قابل نہیں۔ یہ ایک افسانہ ہے جو صرف سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک انسان لذآت جسمانی ولذات دنیاوی میں پھنسا ہوا ہے انسان کی رُوح اسکی لذت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔

اسلام کے ذریعے انسان کے اندر اعتماد نفس پیدا ہوا تاکہ غرور تکبر ... قباحتوں سے کنارہ کشی کے ذریعہ شیطانی انجام سے بچا رہے انسان کے لئے صبر قناعت اور سچائی ... اصول و ضوابط اسلام نے جہیا کر دیئے ہیں۔ محنت و مشقت اور خودداری کا جذبہ بھی اسلام ہی نے عطا کیا ہے۔ اسلام نے عربی عجمی گورے کالے اور رنگ ونسل کا امتیاز مٹا کر تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اخلاق کو زندگی کا اہم بنیادی محرک قرار دیا ہے انسان کو اسلام نے توحید اور رسالت کا درس دے کر ایمان کی دولت سے سرفراز کیا آزادی ضمیر کا اعلان اسلام نے کیا ہے۔ آج بھی اگر مسلمان اسلامی قدروں پر گامزن ہوں تو ہر معاملہ میں نہ صرف

کامیابی ہوگی۔ بلکہ آخرت میں انجام بھی بخیر ہوگا۔ ایفائے عہد ایک اعلیٰ صفت ہے یہ خود خدا کی صفت ہے
ترجمہ:۔ خدا بیشک کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ میں اپنی کتاب میں کئی جگہ وضاحت
کی ہے۔ ترجمہ:۔ عہد کو پورا کرو! کیونکہ قیامت کے دن عہد کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ جس کا عہد نہیں
اس کا دین نہیں ہے اسلام میں طرفداری اور دھڑے بندی بھی ناجائز ہے قرآن کریم لسانی اور صوبائی
تعصبات کی زبردست مذمت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے معزز وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار
ہے!۔ کسی شخص کی دولت یا اقتدار سے متاثر ہو کر خوشامد کی غرض سے اس کی طرفداری کرنا انتہائی ذلت
ہے کیونکہ ایسا کرنا شخصیت پرستی ہے اسلام نے اس سے منع کیا ہے کسی مسلمان کو ملتے وقت" اسلام علیکم"
کہنا اور اس پر سلامتی بھیجنا اسلام کا تہذیبی شعار ہے اسلام اخوت و یگانگت کے جذبات پیدا کرتا ہے آپس
میں پیار محبت کی تلقین کرتا ہے اور قصور کو معاف کرنا انسان کے لئے باعث رحمت قرار دیتا ہے ایسا کرنے
سے انسان کے اندر رحم کا جذبہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اور یہی رحم کا جذبہ خداوند تعالیٰ کے ہاں بدرجہ اتم
مقبول ہے۔ نیکوں پر خدا نے خود سلام بھیجا ہے رشوت دینا اور رشوت لینا نہ صرف خدا کے قریب ظلم
کرنے کے مترادف ہے بلکہ دنیا کا کوئی انسان بھی اسے پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ جس ملک کے عوام میں رشوت
لینا دینا عام ہو جائے اس کی ترقی یقیناً رک جاتی ہے اور آگے بڑھنے کی بجائے قوم پستیوں میں گھر جاتی
ہے۔ بدزبان ہونا اور بہتان باندھنا اسلامی ادب و ضوابط کے خلاف ہے۔ کیونکہ بدزبان ہونے سے سننے
والوں کے کردار پر برا اثر پڑتا ہے۔ اور بہتان باندھنے سے ایک دوسرے کے دلوں میں نفرت کا جذبہ
بھڑک اٹھتا ہے جو اسلام کے سراسر منافی ہے اور خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے قطعی منع فرمایا ہے۔

ذکرِ الٰہی

لُغت کے اعتبار سے ذِکر کے دو معنی ہیں۔ ایک یاد رکھنا اور دوسرا بیان کرنا یاد رکھنا تو وہ ہے جو بھُول جانے کی ضِد ہے جیسے قرآن کریم میں آتا ہے۔

ترجمہ :۔ اور یہ مجھ کو شیطان نے بھُلا دیا کہ اس کا ذِکر کروں "

ذکر قلبی طور پر بھی ہوتا ہے اور لسانی رنگ میں بھی نیز ہر قول و فعل کو بھی ذکر کہا جاتا ہے قرآن میں "ذِکر" کا استعمال کئی معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً عشق الٰہی اور یاد الٰہی۔ نماز پنجگانہ نماز جمعہ اور قرآن مجید کی تلاوت اور نصیحت وغیرہ جیساکہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ ترجمہ :۔

"تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔" نماز پنجگانہ :۔ پس جب امن قائم ہو جائے تو خدا کو اس طریقے سے یاد کرو جس طرح اس نے سکھایا ہے اور حکم دیا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔ نماز جمعہ :۔ اے مومنو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی یعنی نماز جمعہ کے لئے دوڑو۔ خرید و فروخت اور دیگر کاروبار چھوڑ دو۔"

یہ تو ایک ذکر ہے نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لئے عام ہے۔ ذکر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نماز پنجگانہ پابندی سے باجماعت ادا کی جائے یاد الٰہی زبان سے ہو یا دل سے۔ اس میں رقت اور [illegible] ضرور رہنا چاہئیے۔ دوسرا طریقہ خدا نے خود بتا دیا ہے کہ :۔

اے نبی! اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو۔ دل ہی دل میں۔ زاری اور خوف کیساتھ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو انسان خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور ذکر الٰہی سے غفلت برتیں۔ یعنی خالق حقیقی کا نام تک نہ لے اسے سکون قلب کیسے نصیب ہو سکتا ہے۔ یہ قطعی ناممکن ہے!!

آیئے آج سے عہد کریں کہ خرید و فروخت۔ کھیتی باڑی۔ محنت مزدوری۔ تجارت۔ ملازمت

غرض کہ دنیا کے تمام لین دین اور کاروبار کے ساتھ ذکر الٰہی بھی صبح و شام جاری و ساری رکھیں گے!
اعلیٰ ہستی خدا کی ہے۔ اور قرآن اس کا کلام ہے اس میں زندگی کے تمام بنیادی پہلوؤں کے قوانین و
ضوابط بیان کئے گئے ہیں لہٰذا ہمیں ذکر الٰہی میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہئیے اور روزانہ قرآن مجید
کی تلاوت کرنی چاہئیے بُرائی سے خود بھی رکنا چاہئیے اور لوگوں کو بھی منع کرنا چاہئیے۔ نیکی اور بھلائی
کے کاموں کی تاکید کرنی چاہئیے۔ نیک اعمال کرنے والے لوگوں کا ساتھ دینا بھی ذکر الٰہی میں شمار ہوتا
اگر کوئی شخص غیر شرعی کام کرتا ہوا دیکھیں تو اسے منع کریں کیونکہ یہ بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے۔
خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہئیے جو لوگوں کو نیکی کی راہ دکھائے اور
برائی سے منع کرے۔ پس ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

گر تو خواہی در دو عالم آبروست یادِ اُو کن، یادِ اُو کن، یادِ او

مفلس وہ نہیں جس کے پاس دولت نہ ہو۔ بلکہ مفلس وہ بھی ہے جو عابد اور زاہد بھی ہو
مگر بد زبان، بہتان تراش ہو۔ اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔ تقویٰ و پرہیزگاری ذکر الٰہی کے بغیر حاصل
نہیں ہو سکتے۔ خدا نے ہمارے لئے رنگا رنگ کی چیزیں پھل، پھول، کھیتوں سے اناج اور
اور پانی کے چشمے جاری کئے ہیں ان تمام نعمتوں کا شکر ہم ذکر الٰہی کے ذریعے ادا کر سکتے ہیں ذکر الٰہی
کا پہلا محرک کلمہ طیبہ ہے اس کو پڑھنے کا صحیح مفہوم عمل اور علم کو درست کرتا ہے کلمۂ حق انسان
کو دنیا میں وہ باغ لگانا سکھاتا ہے۔ جس کے پھل آخرت میں اس نے توڑنے ہیں۔
خدا نے مخلوقات کو پیدا کیا انہیں قوت عمل عطا کی وجود کو تندرستی عطا کی اب بھی اگر انسان
روگردانی کریں اور ذکر الٰہی کی بجائے جہالت، شرک اور کفر میں مبتلا ہوں تو یہ غضب الٰہی کو
دعوت دینے والی بات ہے جو کئی صورتوں میں نازل ہو سکتا ہے۔ ہمیں چاہئیے کہ ذکر الٰہی صبح و
شام جاری رکھیں اور اپنے قول و فعل میں تضاد پیدا نہ ہونے دیں بارگاہِ رب العزت میں کھڑے
ہو کر جن اعمال کا عہد کریں اور عبادات میں جن کاموں کے بارے میں عمل کرنے کے لئے کہا گیا ہے
ان پر صدق دل سے عمل کرنا بھی ذکر الٰہی میں شمار ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ دنیا اور آخرت میں خدا کی رحمتوں کی بارش ہوگی۔

بندگی کے معنی عبادت کے ہیں۔ عبادت کا لفظ عبد سے مشتق ہے عبد کے معنی بندے
اور غلام کے بھی ہیں۔ اگر ہم اپنے آقا کے بندے بن کر زندگی بسر کریں تو پھر یہ زندگی بھی بندگی
اور عبادت ہوگی۔

خدا تعالےٰ کے بندے کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنا عقیدہ محکم رکھے اور اپنے
پروردگار کو اپنا آقا و مولا سمجھے اور یہ یقین کرے کہ خدا اپنی مخلوقات کا رزّاق ہے اور اپنے
بندوں کی حفاظت و نگہداشت بھی وہی کرتا ہے۔ زندگی اور موت دونوں اس کے قبضۂ
قدرت میں ہیں۔ خدا کی وفاداری بندے پر فرض کر دی گئی ہے۔ اس طرح بندے کا دوسرا
فرض ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی عبادت کرے اس کے احکام بجا لائے اور اس کی مرضی کے خلاف
کوئی کام نہ کرے۔ یعنی جن کاموں سے خدا نے منع کیا ہے ان کے قریب بھی نہ جائے۔ تیسرا
فرض انسان کا یہ ہے کہ وہ خدا کی ذات کو انتہائی قریب جانے اور خلوص دل سے ادب
اور احترام کرے۔

متذکرہ تین فرضوں پر جب انسان عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ عبادت کا روپ بنا لیتے
ہیں۔ یعنی خدا کی وحدانیت۔ اس کی اطاعت اور اس کا خلوص دل سے ادب و تعظیم۔ قرآن
کریم میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: "میں نے جن اور انسان کو اس کے سوا اور کسی غرض کے لئے پیدا نہیں کیا۔ کہ وہ
میری عبادت کریں۔"

خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بندگی کرنے کا حکم دیا ہے اور نبی کریمؐ اور باقی پیغمبروں کی
تعلیم کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ حلال کمائی کے لئے

ایک انسان جتنی دیر کے لئے محنت کرتا ہے وہ اس کی عبادت ہے اس کے علاوہ اگر ایک آدمی اپنی بیوی بچّوں اور دوسرے حق داروں کو حق ادا کرتا ہے تو یہ بھی اس کی عبادت ہے اگر کوئی راہ چلتے ہوئے پتھر یا کانٹا اس خیال سے راستے سے ہٹائے کہ مخلوق خدا کو تکلیف نہ ہو یہ بھی اس کی عبادت ہے ۔ انسان کسی بیمار آدمی کی تیمار داری کرے اور اس کی خدمت کرے کسی اندھے کی رہنمائی کرے تو یہ بھی عبادت ہے کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنا بھی عبادت میں ہی شمار ہوتا ہے ۔

اگر ایک انسان دوران گفتگو جھوٹ نہ بولے اور سچی بات کرے ۔ چغلی نہ کھائے ۔ کسی کی غیبت نہ کرے کسی کی دل آزاری نہ کرے تو یہ بھی عبادت ہے دل میں خدا خوفی کا جذبہ رکھ کر حق بات کرنا ۔ کسی دوست ۔ رشتہ دار کا لحاظ نہ کرنا اور وقتی طور پر اگر خطرہ محسوس ہو تب بھی حق بات کہنا بھی عبادت ہے ۔

مختصر یہ کہ انسان ہوش سنبھالنے کے بعد مرتے دم تک اگر خدا تعالےٰ کے قانون پر چلے اور اس کے احکام پر عمل کر کے زندگی بسر کرے تو یہ اس کی بندگی ہے زندگی میں ہر وقت اور ہر حال میں چاہے خوشی ہو یا غم خدا کی اطاعت کرنا اور نیک کام کرنا ہے عبادت ہے ۔

ارکانِ اسلام یعنی کلمہ ، نماز ، روزہ ، زکواۃ اور حج بھی عبادتیں ہیں جو مسلمان پر فرض ہیں نماز دن میں پانچ وقت خالق حقیقی کی یاد دلاتی ہے ۔ اور ہماری توجہ اس جانب مبذول کراتی ہے کہ جو مال ہم نے کمایا ہے سب کا سب خدا تعالےٰ کا عطیہ ہے اسے صرف اپنے نفس کی خواہشات پر صرف نہ کیا جائے بلکہ اس میں سے حکم خداوندی کے مطابق اڑھائی فیصد زکواۃ دے کر خدا کا حق ادا کیا جائے ۔

خدا کو ہماری کسی چیز کی ضرورت نہیں ہم جو کچھ بھی اس کے نام پر دیں گے وہ اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے دیں گے ۔ حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور یہ صاحب حیثیت مسلمانوں پر فرض ہے حج ایک مسلمان کے دل پر خدا کی محبت اور بزرگی کا ایک ایسا نقش چھوڑ جاتا ہے

کہ اس کا مستقبل صالح عمل کا حامل بن جاتا ہے۔

آج کا مسلمان عام طور پر یہ سمجھتا ہے کہ دل میں کدورت اور کینہ ہو یا اور نمازیں پڑھی جائیں تو یہ عبادت ہے۔ یہ جھوٹ بولیں تو بھی یہ ان کی عبادت ہے دل میں کھوٹ ہو اور نام ونمود کے لئے دولت کے بل بوتے پر کعبہ جاکر طواف کرلیں تو یہ ان کی عبادت ہے حالانکہ ایسا کرنا کوئی ثواب نہیں انہیں غلط فہمی صرف اس لئے ہے کہ وہ عبادت کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکے۔ اگر ہم زندگی میں ہر قدم پر یہ دیکھ کر چلیں کہ خدا کس عمل سے خوش ہوتا ہے اور کس سے ناراض تو پھر بندگی اور عبادت کا مفہوم خود بخود سامنے آجاتا ہے۔

اسلامی ذہن کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مسلمان ایک خالق حقیقی کو مانتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے یہ عقیدہ اُسے بہادر بناتا ہے۔ کیونکہ وہ خدائے واحد کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ مُسلمان تمام انبیار کو ایک ہی مقصد اور ایک ہی سلسلے کی کڑیاں سمجھتا ہے اس کا عقیدہ ہے کہ جتنے نبیؐ خدا نے بھیجے ہیں۔ وہ سب ایک خدا کی عبادت کی تعلیم دیتے ہیں۔ سچا دین صرف اسلام ہے اور خدا تعالیٰ کو یہی دین مرغوب ہے۔ باقی تمام مذاہب میں کچھ نہ کچھ خامیاں ہیں۔

حق کی راہ میں تکلیفوں کو برداشت کرنا بھی اطمینان قلب کا باعث ہے انسان کی اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ اسلامی ذہن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ نجات کے لئے صرف آخری رسولؐ کی پیروی ضروری ہے۔ کیونکہ پہلی شریعتیں ناپید ہو چکی ہیں مسلمان اپنے نبیؐ کے اسوہ حسنہ سے زندگی کے لئے شعبے میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں پورے اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی سیرت النبیؐ پر ہے۔

دُنیا بھر کے مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اس عالمگیر اخوت کی بنا پر مسلمان غیر ملکی مسلمانوں کی مدد اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس عالمگیر بھائی چارے مظاہرہ ہر سال حج کے موقع پر خانہ کعبہ میں ہوتا ہے۔ جہاں تمام ممالک کے لاکھوں مسلمان جمع ہو کر ایک ہی مقصد [illegible] کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مُسلمان غیر مُسلموں سے بھی حُسن سلوک [illegible] اور احترام انسانیت کو فرض سمجھتے ہیں۔ کسی کو مصیبت سے نجات دلانا اور [illegible] دنیا مُسلمان نیکی کا کام سمجھتے ہیں۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلام دنیا میں غربت اور افلاس [illegible] اپنا مشن قرار دیتا ہے۔ مُسلمانوں کے لئے اتحاد و اتفاق کی مضبوط ترین بنیاد خدا کی رسی [illegible]

دین اسلام ہے۔ اسی رسی کو پکڑ کر مسلمانوں نے نازک حالات میں پاکستان حاصل کیا۔ اور اسی کو تھام کر پاکستان کے بچے کھچے حصے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ کھوئے ہوئے وقار کو بھی بحال کر سکتے ہیں

جدید معاشرہ آج کل مذہب اسلام سے بیزاری انتہائی عروج پر ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم سب بلالحاظ رتبہ ومقام پہلے مسلمان ہیں اس کے بعد سرمایہ دار، جاگیر دار۔ صنعت کار اور کسان ہیں اور طبقاتی کشیدگی اور باہمی چپقلش کے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔ صوبائی۔ علاقائی اور لسانی تعصبات بھی آج کل معاشرے میں جڑیں پکڑ رہے ہیں۔ یہی کشیدگی اور تعصبات ملک وملت کے لئے مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔ نوجوان طبقہ فرنگی تہذیب کو جو بے حیائی اور عریانیت پر مبنی ہے اپنانے لگ گیا ہے۔ بیل باٹم زیب تن کرنا۔ گانوں تک فلمیں بڑھانا ہپی بوائز کا وطیرہ ہے۔ لڑکیاں بال کٹانے۔ دوپٹے گلے میں ڈالنے۔ نیم برہنہ لباس پہننے اور فلمیں دیکھنے کو پُر وقار سمجھتی ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں پہلے فلموں کے ذریعے اخلاقی بے راہ روی پیدا ہوئی لیکن اب اسے ناولوں اور ڈراموں کے ذریعے پھیلایا جا رہا ہے۔ اردو ڈراموں میں لڑکیاں بال کھولے۔ نیم برہنہ لباس پہنے پردہ سیمیں پر آتی ہیں بقول شاعر:۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

ہم سب کو اپنے اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں۔ یعنی کاشتکار کھیت میں مزدور کارخانوں میں۔ کلرک دفاتر۔ اساتذہ درسگاہوں میں افسر اپنے اداروں میں تندہی۔ فرض شناسی اور دیانت داری سے اپنے اپنے فرائض انجام دیں تو پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ ملک مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے یا نہیں۔ ان تمام مسائل کا حل ضابطۂ اسلام پر کاربند رہ کر ہی ہو سکتا ہے اسلامی قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ اسلامی نظام معاشرت پائیدار اور مضبوط ہے لہذا ہمیں معاشرے کی تطہیر کے لئے شریعت کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہئیے۔

آج کا انسان مادہ کا غلام ہے اور مذہب کو افیون کا نشہ سمجھتا ہے مارکس کا اشتراکی نظریہ

شرتی ارتقار کا نتیجہ ہے نئی تہذیب نے اس مقدس تصور کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ جس میں
ان اور خدا میں ایک رشتہ قائم کر کے دل کا اطمینان تلاش کیا جا سکتا ہے چونکہ اسلامی
شرہ ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہو لہذا ہمیں خلاف شرع مخالفتوں کو مٹا کر اپنے
پ کو گندے معاشرے سے دُور رکھنا چاہیئے۔ کسی قوم کو اس عالم آب و گل میں آزادی
رہنے کے لئے زندہ دلی کی ضرورت ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

؎ دل مُردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کرو دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

فلسفۂ خودی اور مُسلمان

خودی ایک رُوحانی تصور ہے۔ معرفت نفس اور خود شناسی سے مراد بھی خودی ہے خودی اپنی اس حقیقت سے آگاہ ہونے کو کہتے ہیں کہ انسان دنیا میں خدا کا نائب ہے اور ساری مخلوقات خدا سے اشرف ہے۔ علامہ اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کا مطلب یہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں اور اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ اسی طرح تمام دُنیا کے مسلمان ایک طاقت ور اور بے پناہ قوت کی حامل قوم بن سکتے ہیں۔

علامہ اقبال نے ہر طبقۂ فکر کے لوگوں کو ابھارا اور جوش و ولولہ کا سبق دیا۔ محنت کش زمینداروں کے لئے ارشاد ہے کہ۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقان ذرا
دانہ بھی تو، کھیتی بھی تو، گندم بھی تو، حاصل بھی تو

خدا تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو سوچنے سمجھنے کی استعداد، ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں عطا کی ہیں اگر انہیں بروئے کار نہ لایا جائے تو ہم اپنے وقار کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ قدرت کا منشا رہے کہ سب انسان ہنر۔ تجربات اور استعداد کے حصول کے لئے جستجو کریں اور پھر اپنے علم کو بروئے کار لا کر کامرانی اور ترقی کے سامان پیدا کریں۔

آج کل عالم اسلام پر مصائب و مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ تمام طاغوتی قوتیں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے سازشوں میں مصروف ہیں اگر مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد ہو تو طاغوتی قوتیں اپنے برے عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکیتں۔ مسلمانوں کو فرنگی تہذیب سے مرعوب ہو کر اسلام کے وقار کو ٹھیس نہیں پہنچانی چاہیئے۔ کیونکہ یہ سب دھوکہ اور فریب ہے۔ ہم مسلمانوں کو اپنی عظمت رفتہ اور اسلامی روایات واپس لانے

لئے جدوجہد کرنی چاہیئے اور پھر اپنے خالق حقیقی پر پورا بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اقبالؒ نے فرمایا ہے
کہ کانپتا ہے دل تیرا اندیشۂ طوفان سے کیا۔ ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو۔

مسلمانوں کو صرف ایک خدا سے ڈرنا چاہیئے اگر مسلمان شریعت الہیّہ اور سنت نبویؐ پر عمل کریں تو انہیں اطمینان قلب اور روحانی مسرت نصیب ہو سکتی ہے۔ مسلم قوم اگر جذبۂ خودی سے سرشار ہو تو اس کی ایک نظر ہی دنیا کو الٹ پلٹ کر سکتی ہے۔ مومن کے زور بازو کا کیا کہنا۔ جب تک مسلمان خوددار نہ ہو جائیں ان کے دل میں دین اسلام کی تڑپ اور حبّ الوطنی کا جذبہ ہو اور وہ احساس کمتری کا شکار ہوں تو باوقار قوم نہیں بن سکتے اور نہ ہی ملّت اسلامیہ صحیح معنوں میں ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

جب انسان اپنے آپ کو پہچاننے لگتا ہے تو اس کا احساس کمتری دور ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ خوداعتمادی لے لیتی ہے۔ انسان اپنی قسمت آپ بنانے میں عزت محسوس کرتا ہے جو قومیں اپنی آزادی و وقار کے لئے جینا مرنا جانتی ہیں ان کے سامنے وسائل کی کمی بیشی کوئی معنی نہیں رکھتی ان کی جدوجہد کا تمام تر دارومدار ذوق تیز حسن اتحاد پر ہوتا ہے۔ وہ قومیں خودی پر عمل کرتی ہیں وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے دوسروں کی مدد پر بھروسہ نہیں کرتیں۔

اقبالؒ مرحوم نے مسلمانوں کو اسلامی روایات کا دامن سنبھالنے کا اشارہ کیا ہے آپ نے زور دیا ہے کہ مسلمان اپنے اندر جذبۂ خودی پیدا کریں۔ آپ نے روایت پرست مسلمانوں کے سامنے مرد مومن کا تصور پیش کیا۔ مسلمان جذبۂ خودی اپنے اندر پیدا کر کے باوقار بن سکتے ہیں

خودی سے آشنا ہونے کے لئے تین مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اطاعت الٰہی۔ ضبط نفس اور نیابت الٰہی۔ چنانچہ جب انسان خودی سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ خدا کا صحیح خلیفہ بن جاتا ہے۔ انسان کی رضا اور خدا کی رضا میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق علامہ اقبالؒ مرحوم نے کہا ہے کہ۔

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے۔ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے!

شرک کبیرہ گناہ ہے

شرک سے مراد اللہ تعالےٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا ہے۔ شرک کا عقیدہ یہ نہیں کہ خداوند قدوس جیسا کوئی دوسرا خدا بھی ہے بلکہ عام طور خدا کی صفات میں کئی چیزوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں (نعوذ باللہ) اور وہ جملہ ضروریات خدا سے پوری کروا لیتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مریمؑ کے بارے میں بھی ان لوگوں کا غلط عقیدہ ہے۔ لیکن حقیقت وہ ہے جسے قرآن مجید کے الفاظ میں کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ

ترجمہ:۔ یعنی" وہ دونوں (عیسیٰؑ اور بی بی مریمؑ) کھانا کھاتے تھے۔" جو کھانے کا محتاج ہو وہ دوسرے کی حاجات کا کفیل کس طرح ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک میں دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:۔

ترجمہ:۔ وہ لوگ جنہیں تم حاجات کے لئے پکارتے ہو وہ خود بھی تمہاری طرح انسان ہیں"!

حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا:۔ مجھے اتنا نہ بڑھاؤ کہ خدا سے ملا دو" اور نہ ہی اتنا گھٹاؤ کہ مجھے میرے مقام ہی سے گرا دو!" میں خدا کا بندہ اور رسولؐ ہوں۔"

قرآن پاک میں ایک اور جگہ اسی بات کی وضاحت کی گئی ہے:۔ ترجمہ:" اے رسول (صلعم) ! اگر میں تمہیں مصیبت پہنچاؤں تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر بہتری اور بھلائی پہنچاؤں تو کوئی اسے روک نہیں سکتا!" ایک اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

ترجمہ:۔ بے شک شرک بڑا ظلم ہے!"

یہ ایسا گناہِ کبیرہ ہے کہ توبہ کے بغیر ناقابل معافی ہے۔ ہر گناہ کی خدا کی بارگاہ میں معافی کے دروازے کھلے ہیں۔ مگر شرک ایک ایسا مکروہ گناہ ہے کہ اس کے لئے عام معافی کے دروازے بند ہیں شرک انسان کی نیکیوں کو جلا کر اس طرح خاکستر کر دیتا ہے۔ جیسے آگ روئی کو جلا دیتی ہے خدا ظاہر و باطن

باطن ہر چیز کو جانتا ہے۔ اب اگر یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ فلاں آدمی بھی اسی طرح ہر بات جانتا ہے تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔ خدا ہی کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے عزت اور ذلت دینے کی قدرت بھی اسی کے پاس ہے۔ خدا کے حکم کے بغیر ایک درخت کا پتہ بھی ہلایا نہیں جا سکتا۔ ہمیں ہر حالت میں اسی سے رجوع کرنا چاہیئے۔

اولیاء کرام کے درباروں میں حاضری دینا اور ان کا احترام کرنا۔ ان کی مجلس سے روحانی تسکین حاصل کرنا کوئی جرم نہیں کیونکہ اولیاء کرام اور بزرگان دین کے پاس بیٹھ کر روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اولیاء کرام کا احترام کرنا شرک نہیں ہو سکتا اللہ اور رسول کے بعد اولیاء اللہ کا مقام ہوتا ہے۔ مگر اس معاملے میں افراط و تفریط سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ اس حقیقت کو ضرور پرکھ لینا چاہئیے کہ آیا اس کے پاس قرآن و حدیث کا علم ہے اگر ہے تو وہ واقعی مخلصانہ اللہ اور رسولؐ کے احکامات کی تبلیغ کرتا ہے یا اس کے پس منظر میں اس کا کوئی ذاتی مقصد تو پوشیدہ نہیں؟ کہیں وہ نام نہاد اولیاء تو نہیں؟ ایسے لوگوں سے بچنا انتہائی ضروری ہے

اولیاء کی تعریف یہ ہے کہ وہ خدا کے نیک بندے اور برگزیدہ ہستیاں ہوتے ہیں وہ ہر کام اللہ کی خوشنودی اور لوگوں کی بھلائی کے لئے کرتے ہیں ان کی طرف سے مخلوق خدا کو فیض پہنچتا ہے دین اسلام سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں۔ دُنیا اور آخرت میں مخلوق خدا کا بھلا چاہتے ہیں۔ اولیاء کرام حتیٰ الامکان دین اسلام کی خدمت اور لوگوں کی بھلائی کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دیتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالےٰ کے پیارے حبیبؐ پر درود بھیجنے پر اعتراض کرتے ہیں اسے بدعت قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ ترجمہ:۔ اے ایمان والو تم بھی اللہ کے رسولؐ پر درُود و سلام بھیجو کیونکہ اللہ اور اس کے فرشتے بھی نبی کریمؐ پر درُود و سلام بھیجتے ہیں! " حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا " جو شخص مجھ پر سلام اور درود بھیجتا ہے تو اللہ میری رُوح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں!

لیکن یاد رہے قیامت کے دن پروردگار عالم کے استفسار پر یہ تمام لوگ ان سے علیحدگی اور

بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیں گے :۔

" تمام مخلوق کے خالق، یہ لوگ خود عقل اور سمجھ بوجھ کے مالک تھے۔ ہم نے کب کہا تھا کہ مالک حقیقی کی بتائی ہوئی راہیں چھوڑ کر ہمارے پیچھے چلو۔ یہ لوگ تو اپنی عقل کے فیصلے پر چلے ہیں اس لئے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے "

انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے شعور سے کام لے اور اچھے بُرے کاموں میں تمیز کرے۔ نفسانی کاموں اور ذاتی اغراض پر آنکھیں بند کرکے نہیں چلنا چاہیئے اپنے اخلاق و کردار کا بے دریغ محاسبہ کرنا چاہیئے۔ اور ایسے اعمال جو خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوں انہیں ایک ٹھوکر سے ترک کر دینا چاہیئے۔ اور خلوص دل سے صالح اعمال پر گامزن رہنا چاہیئے۔ اس کے لئے دنیاوی طور پر خواہ تکلیف پہنچے۔ خسارہ ہو مگر آپ یقین کریں کہ انجام بخیر ہو گا اور آخرت میں یہی سب کچھ ذریعہ نجات بن جائے گا۔ !

آیئے ! آج سے ہم مالک حقیقی کے بتائے ہوئے راہ پر گامزن رہنے کا عہد کریں۔ اور دُعا کریں:۔

" اے مالک ! اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا۔، اے رب العزت ہمیں دین و دنیا دونوں کی سعادتیں عطا کر۔ ہمارے پچھلے گناہوں کو بخش دے۔ ہمارے ذہنوں اور دلوں میں اسلام کا تصور اخلاق پیدا کر۔ تاکہ ہم اپنی قوم اور ملک کی خدمت سچے دل سے کریں اور ہمیں ایمان جیسی نعمتِ غیر مترقبہ سے سرفراز کر آمین!

اسلام کا تصوّر اخلاق

اسلام کے وسیع ترین تصور اخلاق میں وہ تنگ نظری تعصب اور تنگ خیالی نہیں ہے جو مذہب اور وطینت کے محدود تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلام کا تصور اخلاق انسان کو زندگی کے ہر میدان میں، ہر شعبہ میں آگے بڑھاتا ہے اور ہر شعبہ زندگی اور ہر میدان کی اسے اس کی اخلاقی ذمہ داریاں بتاتا اور اسے اخلاقی اصول اور ودلیعت کرتا ہے۔

یہ تصوّر کہ امتحان کا اصل اور آخری فیصلہ اس زندگی میں نہیں۔ بلکہ دوسری زندگی یعنی عقبیٰ میں ہوگا۔ اور حقیقی کامیابی و ناکامی بس وہ ہی ہے۔ دنیا کی زندگی اور اس کے معاملات پر انسان کی نظر کو بدل دیتا ہے اسلام کے اس وسیع تصوّر کی وجہ سے وہ ثمرات و نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں جو کسی دوسرے تصور سے پیدا نہیں ہوتے۔ قانون اخلاق کی پیروی کرنے یا نہ کرنے کا انحصار بھی ان نتائج پر نہیں۔ جو شخص اس تصور کو قبول کرے گا وہ قانون اخلاق کی پیروی پر بہرحال ثابت قدم رہے گا۔ خواہ اس دنیا میں اس کا نتیجہ بظاہر اچھا نہ ہو!

اس کے یہ معنی نہیں کہ اسلام کی نگاہ میں دُنیوی نتائج بالکل ہی ناقابل بیان ہیں اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسلامی تصور اخلاق سے مزیّن ہونے والے کا یقین و ایمان پختہ ہے وہ اس یقین محکم کی بنار پر اصل اور آخری خیال ان کا نہیں بلکہ آخرت کے پائیدار نتائج کا کرے گا اور اپنے لئے صرف اس طرز عمل کو صحیح سمجھے گا۔ جو ان نتائج پر نگاہ رکھتے ہوئے اختیار کیا جائے وہ اسے اختیار کرنے کا فیصلہ اس بنیاد پر نہیں کرے گا کہ زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں وہ لذت اور خوشی اور نفع کا موجب ہے یا نہیں۔ بلکہ اس بنیاد پر کرے گا کہ زندگی کے آخری مرحلہ میں اپنے قطعی و حتمی نتائج کے اعتبار سے وہ کیسا ہے؟ اس طرح اس کا نظام اخلاق ترقی پذیر تو ضرور

رہے گا۔ مگر اس کے اصولِ اخلاق و قوانین اخلاق تغیّر پذیر نہ ہوں گے اور نہ اس کی سیرت کردار ہی تلوّن پذیر ہوگی کہ واقعات کی ہر کروٹ اور حالات کی ہر گردش کے ساتھ اخلاق کے اصول بھی بدلتے چلے جائیں اور آدمی گرگٹ بن کر رہ جائے کہ اس کے اخلاقی رویّہ میں سرے سے کوئی پائیداری ہی نہ ہو۔

اخلاق کے نقطۂ نظر سے آخرت کا یہ اسلامی تصوّر دو اہم فائدے عطا کرتا ہے جو کسی دوسرے نظام اخلاق سے حاصل نہیں ہو سکتے ایک یہ کہ اس سے انسان کی سیرت اور اخلاق کو غائت درجہ نصیب ہوتا ہے جس میں تزلزل کا کوئی خطرہ نہیں دوسرے یہ کہ سیرت کو وہ استقامت نصیب ہوتی ہے جس میں انحراف کا کوئی خطرہ نہیں۔ دنیا میں سچائی کے دس مختلف نتائج نکل سکتے ہیں اور ان نتائج پر نگاہ رکھنے والا ایک ابن الوقت انسان مواقع اور امکانات کے لحاظ سے دس مختلف طرز عمل اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن آخرت میں سچائی کا نتیجہ لازماً ایک ہی ہے اور اس پر نظر رکھنے والا ایک مومن انسان دینوی فائدے اور نقصان کا لحاظ کئے بغیر لازماً ایک ہی طرز عمل اختیار کرے گا۔ !

دینوی نتائج کا اعتبار کیجئے تو خیر و شر کی متعین چیز کا نام نہیں رہتا بلکہ ایک ہی چیز مختلف نتیجوں کے لحاظ سے کبھی خیر اور کبھی شر بھی رہتی ہے اور اس کی اتباع میں دنیا پرست ہوس پرست نفسِ امارہ کے شکار اور مادہ پرست آدمی کا کردار بھی اپنی پوزیشن اور حالات کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے مگر آخرت پر نظر رکھئے تو خیر و شر دونوں قطعی طور پر متعین ہو جاتے ہیں اور آدمی کے لئے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ کبھی خیر کو بد انجام یا شر کو نیک انجام سمجھ کر اپنے کردار کو بدل دے۔ پھر یہ تصوّر کہ انسان اس دنیا میں خدا تعالٰے کا خلیفہ ہے اور تصرف کے جو اختیارات حاصل ہیں وہ سب دراصل نائب ہونے کی حیثیت سے ہیں انسانی زندگی کے لئے راستے اور مقصد دونوں کا تعین کر دیتا ہے اسلام کے اس تصوّر اخلاق سے انسان کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ خدا تعالٰی کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق زندگی بسر کرے کیونکہ یہ سب عین عبادت ہے

تنگ دلی۔ بزدلی اور حرص انسان سے اس کا سلب کر لیتی ہے لہٰذا انسان کو ان سے اجتناب کرنا چاہیئے خواہ کتنی ہی مجبوری ہی کیوں نہ ہو دنیا کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیئے۔ جو کام لوگوں کے سامنے کرنا مناسب نہیں اسے چھُپ کر بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

وہ چیز جو دسترس سے باہر ہو انسان کو اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

ایک پارسا جو تصوّرِ اخلاق کے اصولوں پر کاربند رہتا ہے۔ بُرے کام پر قدرت رکھنے کے باوجود محض خدا کے خوف سے اس سے بچتا ہے بس انسان کا ایک یہی اعلیٰ اخلاق ہے!

آج روحانی تعلیم بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مادی تعلیم۔ روحانی تعلیم کے لئے ہمیں دوسروں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

کتاب مبین، یعنی قرآن حکیم دُنیا اور آخرت کے لئے بہترین کتاب ہے۔ یہ کتاب آخری راہ ہدایت ہے۔ اس کی تلاوت انسان کو کفر و گمراہی سے بچانے کی راہ متعین کرتی ہے قرآن ضابطۂ حیات اسلام بھی ہے اس میں تمام اقوام کو مسائل حاضرہ سے نپٹنے کے لئے فہم و دانش کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اسلام نے ان تمام باتوں کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے جو تصوّرِ اخلاق کے منافی ہیں کیونکہ ایسے اعمال ہی قوموں کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ مثلاً حرص۔ خواہ وہ شہرت کی ہو یا عہدے کی!

ظلم اور غیبت کرنے سے اسلام نے بڑی سختی سے لوگوں کو منع کیا ہے!

اچھے یا بُرے کام کرنے۔ اپنی مرضی سے نیکی یا بدی کے راستے پر چلنے کی مہلت صرف اس دنیاوی زندگی میں ہی حاصل ہے اس زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد دوبارہ یہ مہلت عطا نہیں کی جائے گی بلکہ زندگی کی امتحان گاہ میں جو کچھ اپنا نامۂ اعمال ہم نے مرتب کر دیا ہے اسے مہر لگا کر خالق حقیقی کے پاس محفوظ کر دیا جائے گا۔!

مشاہدے میں آیا ہے کہ لوگ اپنے پیروں۔ مولویوں۔ مذہبی پیشواؤں۔ حاکموں اور سیاسی لیڈروں کی پیروی کرتے ہیں۔!

پوری کائنات کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہی اس کا منتظم ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا پھر انسان کے لئے کائنات کو مسخر کیا۔ انسانی زندگی کے لئے تمام ضروری وسائل پیدا کئے کائنات کی ہر شئے اشرف المخلوقات انسان کی تابعداری کرتی ہے۔

خدا تعالےٰ نے اپنی ذات کے اظہار کے بعد انسان جو خدا کا نائب ہے سے چاہا کہ وہ خدا کی بالادستی قبول کرتے ہوئے اس کی اطاعت کرے اس کے بتائے ہوئے طریقے پر زندگی بسر کرے اس کے احکام کی پوری طرح پیروی کرے۔

خدا نے انسانوں کی رُشد و ہدایت کے لئے اپنے برگزیدہ بندے انبیائے کرامؑ مامور کئے ان کی ہدایت کے واسطے قیامت تک کے لئے قرآن کریم عطا کیا۔

انسان اشرف المخلوقات کے عظیم منصب پر فائز کیا گیا۔ پھر اس کو وہ ذمّہ داریاں سونپی گئیں جو اس منصب کے شایان شان تھیں اور اس کے ساتھ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کو ایک ایسا لائحہ عمل بھی دیا گیا۔ جس کی بناء پر وہ دنیوی زندگی احسن طریقے سے گزار سکتا ہے اور آخروی زندگی کے لئے توشۂ نجات مہیا کر سکتا ہے۔

انسان مدنی الطبع ہے اور ایک دوسرے کے تعاون کا محتاج ہے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو بالخصوص بنی نوع انسان کو مل جل کر زندگی گزارنے۔ آپس میں متحد و متفق رہ کر کشتیٔ حیات کو منزل مراد تک پہنچانے۔ خدائی حقوق کی ادائیگی کے بعد حقوق العباد کو پورا کرنے کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ بندوں کے حقوق ادا کئے جائیں نیز بندوں کے حقوق بندوں سے معاف کرائے جائیں۔ بصورت دیگر اس کی پاداش میں ملنے والی سزا بھر صبت ملے گی

مسلمانوں کا ماضی اور حال

دور جدید کی تہذیب نے مسلمانوں میں امتیاز اور فرق پیدا کر دیا ہے آج کے مسلمان مادہ پرست اور طاقت کا پجاری ثابت ہوا ہے آج کا مسلمان دنیاوی جاہ و جلال کا دلدادہ ہے۔ جس کے لئے چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے۔ دنیاوی فوائد کے حصول کے لئے ہر وقت تگ و دو میں مصروف رہتا ہے۔ ملک و ملت کے وقار کی اسے کوئی پرواہ نہیں وہ دولت کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں شکست اور ترانوے ہزار پاکستانی جنگی قیدیوں کی اسیری کا سبب بھی یہی ہے حق اور اسلامی اصولوں سے روگردانی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آج کا مسلمان معمولی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔

اے کاش! مسلمان اس راہ فنا سے ہٹ کر راہ بقا اختیار کریں اسلامی اصولوں سے رُوگردانی ترک کر دیں صرف اسی صورت میں وہ استحصالی اور ظلم کے چنگل سے نجات پاکر باوقار زندگی بسر کر سکتے اور رُوحانی مسرت اور اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے سرزمین اندلس میں آٹھ سو برس بڑے تزک و احتشام شان و شوکت رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال کے ساتھ حکمرانی کی جب ان کی فتوحات کا سیل رواں تندی و تیزی کے ساتھ عالم گیتی پر رواں دواں تھا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کے سامنے مزاحم ہو سکے جو بھی ان کی زد میں آیا خس و خاشاک کی مانند بہہ گیا ان کے عزائم جرأت و شجاعت و ظفر کی داستانیں آج بھی تاریخوں میں ملتی ہیں مسلمانوں نے ہمیشہ تیغوں کے سائے میں زندگی گزاری وہ ہمیشہ تیر و تلوار سے کھیلتے رہے۔ جب طارق بن زیاد کو سپین فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا تو سپین کے ساحل پر پہنچنے کے بعد اس نے تمام کشتیاں نذر آتش کروا دیں۔ سپاہ نے حیران ہو کر عرض کیا۔ قائدِ محترم! ہم ایسے میں وطن کیسے جائیں گے اس پر طارق بن زیادہ نے تلوار لہرا کر کہا "ہر ملک ما است کہ ملک خدا ما است" اس تقریر نے سپاہ میں ولولہ پیدا کر دیا۔ وہ بڑے جوش سے آگے بڑھے اور فتح نے اس کے قدم چومے۔

تاریخ کے اوراق آج بھی اس جرات و شجاعت پر گواہ ہیں کہ جب بابر کے دس ہزار مسلمان

لشکر کا مقابلہ رانا سانگا اور اس کے ساتھی راجاؤں کے اسی ہزار لشکر سے ہوا تو بابر نے کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کا مشاہدہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر گڑگڑا کر دعا مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ شراب نہ پیئے گا۔ اس نے اپنی تمام سپاہ کو شراب کے مٹکے توڑنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دُعا مانگی۔ خدا کو یہ سچی توبہ پسند آئی اور بابر کی پُرخلوص دُعا سے مُسلمانوں کو حکمرانی مل گئی۔

محمد غوری نے پرتھوی راج کے ہاتھوں شکست کے بعد اپنی فوج کو از سرِ نو ترتیب دیا اور دو سال تک چارپائی پر نہ سویا اور حرم سرا میں بھی نہ گیا اسی طرح جنگی لباس بھی تن سے جدا نہ کیا بلکہ لشکر کی تیاری کی اور تین سال کے بعد پرتھوی راج اور دوسرے ہندو راجاؤں کے متحدہ لشکر کو فوج کی تربیت اور تنظیم اور نصرتِ خداوندی سے شکست فاش دی۔ کاش کہ مسلمان اپنی گذشتہ روایات اور عظمتِ رفتہ کو مدنظر رکھیں اور اپنی زندگی کو اسی سانچے میں ڈھالیں جس میں ان کے پہلے بزرگ تھے۔ اے خدا! مسلمانوں میں بھی وہی عزم و ہمت وہی سوز و گداز پیدا کر دے جو ان کے آباؤ اجداد میں پایا جاتا تھا ان کا قلب اسی جذبہ ایمان اور ایثارِ ملی سے سرشار کر دے مسلمانوں کے سینوں میں بھی وہی جذبات بھر دے

؎ عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے ؎ نگاہِ مسلمان کو تلوار کر دے

ملت کے ہر فرد میں طارق بن زیاد کی رُوح محمد بن قاسم کا جذبہ اور خالد بن ولید کا جگر پیدا کر دے اس کے سینے میں وہی پرانے عزائم بیدار کر دے اور نگاہِ مسلمان کو تلوار جیسی قوت بخش دے اقبال مرحوم نے مسلمانوں کی بیداری کے لئے یوں دُعا کی تھی۔

؎ دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں

اے خدا! مسلمان خوابِ غفلت میں ہیں۔ انہیں ترکوں کی سی شان و شوکت اہلِ ہند کا سا ذہن شاعروں کی سی فصاحت و بلاغت عطا کر۔ پہلے وقتوں میں مسلمانوں کی فوج جہاں جاتی تھی فتح و نصرت سے ہمکنار ہوتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان جذبۂ جہاد سے سرشار اور جنگ کے لئے پوری طرح تیار رہتے تھے۔ جنگی چالوں سے خوب واقف تھے اور ان میں اسلام کی خاطر جان قربان کرنے کی تڑپ تھی۔

دُعا عبادت کی رُوح ہے

عبادت کے لیے خلوص نیّت شرط ہے بادشاہوں کے حضور میں کورنش بجا لا کر یا پھر نذرانہ پیش کر کے عرضِ حال اور سوال کیا جاتا ہے۔ گو خدا تعالیٰ کا درجہ دُنیا کے بادشاہوں سے قطعی مختلف اور بہت ہی بلند اور ارفع ہے مگر فطرت سلیم کا یہی تقاضا ہے کہ پہلے عبادت کو حضُور عالی میں پیش کر کے اپنی عبودیت کا اظہار کیا جائے اور مالک حقیقی کی خوشنودی حاصل کر لی جائے خلاصہ یہ ہے کہ عبادت استغاثت کا وسیلہ ہے اور وسیلہ ہمیشہ مقدم ہی ہوتا ہے۔ نماز پنجگانہ کے بعد ہمیشہ نبی کریمؐ دُعا مانگا کرتے تھے اور اسی طرح سب انبیاء عبادات کے بعد خدا کے حضُور دعائیں مانگا کرتے تھے۔ عبادت مکمل عاجزی کا نام ہے اور کامل عاجزی صرف اُسی ذات کے سامنے پیدا ہو سکتی ہے جو اپنی ذات اور صفات میں کامل ہو۔ اسی کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں کائنات میں مختارِ صرف اللہ ہی ہے اور صرف وہی اپنے بندوں کی پکار سنتا ہے قرآنِ پاک میں ہے۔

ترجمہ: "اے نبی! جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں تو بہت قریب ہوں اور دعا کرنیوالا جب مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

بادی النظر میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے بندے یہ دریافت کریں کہ ہمارا رَبّ قریب ہے یا دُور ہے تو ان سے کہہ دو تمہارا رَبّ تو بہت قریب ہے اس کی رحمت اور قدرت علم ان سے بھی نزدیک ہے یعنی رحمت خداوندی بے حد وسیع ہے وہ ہر وقت دعا سنتا ہے اور پھر جس کی چاہتا ہے دُعا قبول کرتا ہے تمام برکات کا سرچشمہ صرف خدا کی ذات ہے تو پھر دنیوی اور اُخروی حاجات کیلئے اسی کو پکارنا چاہیئے۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ۔

ترجمہ:۔ "اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا۔"
پس اس سے ظاہر ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی مانگنا ہے صرف اپنے اللہ سے مانگنا چاہیئے
خدا سے نہ مانگنا غرور کی نشانی ہے اور اس کی بارگاہ سے مانگنا خود ایک عبادت ہے۔ بلکہ
عبادت کا مغز ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر عضو اور قوت کو کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ
ان کی بدولت حقیقی کمال حاصل کیا جا سکے یعنی انسان خلافت الٰہی کے مرتبے پر فائز ہو
سکے۔ اگر ہم اپنے اعضا، قویٰ اور صلاحیتوں کو حقیقی کمال حاصل کرنے کے لئے استعمال
کریں تو یہی عبادت خلقِ خدا کے لئے رحم اور لوگوں کی خدمت کا جذبہ پیدا کرتی ہے
اور بارگاہ ایزدی میں شکر کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور اگر ہم عبادت کو نام و نمود
اور دُنیاوی شہرت کے لئے بجا لائیں گے تو پھر یہ ظلم اور معصیت سے کم نہیں ہے
جو شخص معرفت الٰہی کے حصول کا خواہاں ہے اسے چاہیئے کہ درجہ بدرجہ ترقی کرے یہاں
تک کہ مقربین میں سے ہو جائے۔ آج ہماری حالت زار قابلِ رحم ہے دنیاوی طور پر
ہم لوگ زندگی کے مختلف شعبوں میں پیچھے ہیں جن شعبوں کو مسلمانوں نے ترقی دینی
تھی اس میں دنیا کی دوسری قومیں پیش پیش ہیں۔ ایک ہم ہیں جو بڑی طاقتوں کا نشانہ
تمسخر بنے ہوتے ہیں۔

دین و دُنیا کی کامیابیوں سے ہم محروم ہو رہے ہیں۔ روز بروز اسلامی تہذیب و
تمدن سے دور ہوتے جا رہے ہیں ایک دوسرے کی محبت دلوں سے ختم ہو رہی ہے، جو
احکامات ہمیں عمل کرنے کے لئے ملے ہیں انہیں صرف ثواب کے باعث پڑھ لیتے ہیں
مگر عمل نہیں کرتے وہ اعمال جو فلاح اور کامیابی کا سبب تھے اب ایک قصہ پارینہ
نظر آتے ہیں۔ ہمیں اب خالق حقیقی سے گڑگڑا کر دعائیں مانگنی چاہئیں۔ اپنی کوتاہیوں
اور گناہوں سے توبہ کرنی چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال کا محاسبہ بھی کرنا چاہیئے
ہمارے اعمال اللہ کے فرمان کے مطابق ہوں اور بارگاہ ایزدی میں خلوصِ دل سے توبہ

کرنی چاہیے کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یقیناً وہی دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

"اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ہم اسلام کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اے اللہ تو قادرِ مطلق ہے۔ تو جو چاہتا ہے سو کرتا ہے ہمارے گناہ معاف کر ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں بیشک تو بخشنے والا بڑا مہربان ہے"۔

اسلام اور سائنس

دین اسلام اور سائنس دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مذہب سے انسان زندگی کا راز جینے کا مقصد آداب معاشرت اور نیکی بدی میں تمیز سیکھتا ہے۔ اسلام اخلاق، اصول و ضوابط اور قوانین کا اہم ترین سرچشمہ ہے اور سائنس انسان کے لئے مادی فلاح اور آسائش مہیا کرتی ہے۔

عہد قدیم کا انسان غاروں میں رہتا اور پتوں سے بدن ڈھانکتا تھا۔ آگ جلانا نہیں جانتا تھا۔ بیماریوں کے سامنے بے بس تھا۔ اس کے ذہن میں کرۂ ارض۔ چاند۔ سورج ستاروں کا کوئی تصور نہ تھا۔ اگر تھا بھی تو وہ قصوں کہانیوں پر مبنی تھا۔

عقل و ذہانت سے کام لے کر انسان نے اپنے ماحول کا مشاہدہ کیا۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا مشاہدہ کیا۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا استعمال بہتر طریقے سے کیا۔ غاروں کی جگہ جھونپڑے۔ پکے مکان اور شاندار عمارات و محلات تعمیر کرنے لگا۔ پتوں کی بجائے سوتی۔ اونی اور ریشمی کپڑوں سے مختلف ڈیزائنوں کے رنگا رنگ لباس بنا کر اور موسم کے مطابق تن ڈھانپ کر تہذیب و تمدن میں ترقی کرنے لگا۔ اس نے بیماریوں کے اسباب۔ تشخیص۔ علاج اور روک تھام کے کامیاب طریقے معلوم کئے۔ کرۂ ارض کے چپے چپے کا حال معلوم کیا۔ زمین کی گہرائیوں سے معدنیات حاصل کر کے انہیں کام میں لایا۔ موٹروں و ریلوں۔ سمندری جہازوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے سفر کو آرام دہ اور تیز تر بنایا۔ دنیا کے ہر گوشے میں رہنے والے لوگوں سے سفارتی۔ تجارتی اور ثقافتی تعلقات قائم کئے اب تو سائنس کے توسط سے انسان چاند پر بھی پہنچ گیا ہے اور ستاروں پر بھی کمندیں ڈال رہا ہے انسان نے دل بہلانے اور تفریح کے لئے ریڈیو۔ ٹیلیویژن وغیرہ ایجاد کر لئے ہیں۔ اس مادی ترقی کے باوجود چشم عالم نے یہ بھی دیکھا کہ انسان خوش نہ رہ سکا۔ مغربی ممالک سے "ہپی" قسم کے لوگ آرام دہ زندگی چھوڑ کر روحانی مسرت اور اطمینان قلب کی

تلاش میں کبھی شراب کا سہارا لیتے ہیں۔ کبھی افیم اور چرس سے دل بہلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کو ذہنی سکون اور روحانی خوشی پھر کبھی نہیں ملتے۔ ان میں سے کوئی خودکشی کر بیٹھتا ہے کوئی جرائم میں لذت حاصل کرنے لگتا ہے۔ اور کوئی ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کا مہذب ترقی یافتہ انسان ہر طرح کی مادی آسائشوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود پریشان اور بے چین ہے۔ اسی سکون کی تلاش میں کئی لوگوں نے تاج و تخت کو چھوڑا تھا اور آخرکار مذہب ہی نے انہیں ذہنی سکون اور روحانی خوشی سے ہمکنار کیا تھا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو سائنس اور مذہب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ خدا کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے سے سائنس کی ترقی اور مادی فلاح ملتی ہے اور ان نعمتوں کو جائز اور مناسب استعمال کرنے کے لئے اخلاق۔ سیرت و کردار نیکی و بدی اور اُنکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ضرورتیں مذہب ہی پوری کر سکتا ہے۔ چھوٹے موٹے جنگی اسلحہ سے لے کر ایٹم بم تک تیار کرنے کے لئے سائنسی کمال کی ضرورت ہے۔ حالانکہ اسلحہ کا اندھا دھند ظالمانہ اور خود غرضانہ استعمال دفاع وطن اور حفظِ ناموس و غیرت کے لئے قابل قدر ہے سائنس کے ذریعے انسان نے سینما۔ ٹی وی۔ ریڈیو ایجاد کر لئے لیکن ہر نئی چیز کو بہتر مقاصد کے لئے استعمال کرنا اسلام ہی سکھاتا ہے۔

زندگی میں رشتہ داروں اور ہمسایوں بلکہ عام انسانوں سے حُسنِ سلوک اور بہتر تعلقات پر اسلام ہی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ سائنس کی مدد سے ہم وقتی طور پر خوشی حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن دیرپا اور حقیقی ذہنی سکون اور روحانی خوشی کے لئے مذہب اور خاص کر مذہب اسلام ہی واحد سہارا بن سکتا ہے۔ دین اسلام بتاتا ہے کہ اس کائنات میں صرف زمین ہی بود و باش کی جگہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے اور مقام بھی رکھے ہیں۔ جن کو بہشت۔ دوزخ اور اعراف کا نام دیا گیا ہے سائنس اور مشاہدات کی بدولت ہم اس حقیقت سے اچھی طرح شناسا ہو گئے ہیں کہ کائنات میں

میں ہماری زمین کی طرح بے شمار اجرام فلکی موجود ہیں۔ ان میں سے کئی اس قدر گرم ہیں کہ ان پر دوزخ کا گمان ہوتا ہے اور کئی اس قدر سرد ہیں کہ ان پر بھی زندگی کا گمان نہیں ہو سکتا۔

مذہب نے ہمیں بتایا ہے کہ مظلوم کی آہ عرش تک جاتی ہے اور اس کے مقابلے میں سائنس نے سمجھایا ہے کہ ٹیلیفون کے ذریعے انسان کی آواز کرۂ ارض کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک جاتی ہے چاند سے زمین تک آوازیں اور اشارے کئے جاتے اور سُنے جاتے ہیں اگر سائنس اور مذہب کے درمیان مخالفت کا پرچار کرنے والے ان دونوں کی اہمیت اور انسانی فلاح کے لئے دونوں کے لازم و ملزوم ہونے کی طرف توجہ دیں تو ایک طرف ترقی کی نئی راہیں کھل جائیں اور دوسری طرف انسان کو مادی فلاح اور آسائش کے ساتھ ساتھ روحانی مسرت اور اطمینان قلب حاصل ہو اور سچ تو یہ ہے کہ ؎

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی ؎ اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

مذہب اسلام نے ہمیں بتایا ہے کہ زندہ اور طاقت ور قوم کو باوقار طریقے سے جینا ہے تو وہ دفاعی تیاریوں کے ساتھ اخوت اور محبت سے بھی پیش آئے اور مکار دشمن کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے۔

مسلمان وہ ہے جو سچے دِل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی تعلیم سراسر حق ہے اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے انسان کے لئے دین و دنیا کی بھلائی اور کچھ بھی ہے صرف خدا اور اس کے رسول کی تعلیم میں ہے اس بات پر کامل یقین جسے ہوگا وہ زندگی کے ہر معاملے صرف یہ دیکھے گا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا اس معاملہ میں کیا حکم ہے۔ ؟ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔ !!

انسان کے لئے دین و دنیا کی بھلائی نیکی اور جو کچھ بھی ہے صرف خدا اور رسولؐ کی تعلیم میں ہے جسے اس بات پر کامل یقین ہوگا وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے کو قرآن اور سنت کی روشنی میں یہ دیکھے گا کہ خدا اور اس کے رسول نے اس سلسلہ میں کیا حکم دیا ہے اور جب اُسے تسلی ہو جائے گی تو پھر وہ اس امر کے آگے اپنا سر جھکا دے گا لوگ چاہے کتنی باتیں بنائیں۔ مخالفت کریں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرے گا کیونکہ ایسا انسان اس وقت خدا کا نیک بندہ بن چکا ہوگا اور اُمت رسولؐ میں بھی وہ یقیناً پسندیدہ ہوگا۔

اس کے برعکس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میرا دِل نہیں مانتا اور ہر کام میں وہ اپنی من مانی کرتا ہے تو پھر سمجھ لیں کہ اس کا دل ایمان کی روشنی سے خالی ہے۔ وہ مومن نہیں بلکہ عملاً منافق ہے ایسا شخص سب کے سامنے زبان سے یہ کہتا ہے کہ میں خدا اور بندہ اور رسولؐ کا پیرو ہوں !" لیکن وہ اصل میں اپنے نفس کا بندہ اور رائے کا پیرو ہے۔

آج کل کے دین داروں کا حال یہ ہے کہ اگر انہیں اسلامی اصولوں پر چلنے [illegible] کہتے ہیں۔ اس اصول پر چلنے میں دِقت ہے فی الحال رہنے دیں بعد میں دیکھا جائے گا !؟"

یہی وجہ ہے کہ اب نمازوں۔ روزوں اور قرآن خوانی میں وہ اثر نہیں رہا جو پہلے ہوتا تھا اب انسانوں کے وجود تو ہیں مگر روح مفقود ہے۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ کے متعلق سچے مسلمان

کا جو عقیدہ ہونا چاہیئے وہ ذہن میں پوری طرح سے تازہ رہے اور مسلمان کو اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے کا شوق ہونا چاہیئے روزہ رکھ کر شیطان کے وار سے بچنا چاہیئے اور دنگے فساد سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن میں واضح کر دیا ہے۔ ترجمہ :۔ ہم نے کھول کھول کر حق و باطل کا فرق بتانے والی آئیتیں اتار دی ہیں۔ خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے ان آئیتوں کے ذریعہ سے سیدھا رستہ دکھاتا ہے" لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایماندار نہیں ہیں اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے معاملات میں قانون خداوندی کے مطابق فیصلہ کیا جائے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑ لیتے ہیں البتہ جب بات ان کے مطلب کی ہو تو اسے مان لیتے ہیں کیا ان لوگوں کے دلوں میں کوئی بیماری ہے ؟ کیا یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا ان کو یہ ڈر ہے کہ خدا اور اسکا رسولؐ ان کی حق تلفی کریں گے ؟ کچھ بھی ہو یہ لوگ اپنے اوپر خود ہی ظلم کرنے والے ہیں"

درحقیقت جو لوگ ایماندار ہیں ان کا دستور تو یہ ہے کہ جب انہیں خدا اور رسولؐ کی طرف بلایا جائے تو وہ کہیں کہ" ہم نے اطاعت کی ! " ایسے ہی لوگ یقیناً فلاح پانے والے ہیں اور جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرے گا اور اپنے خالق حقیقی کی نافرمانی کے انجام سے ڈرے گا اس کے احکام پر عمل پیرا ہو گا پس وہی ایماندار ہو گا جن کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ایمان کی شرائط میں پیغمبروں پر ایمان لانا ایمان مقبول کہلاتا ہے فرشتوں پر ایمان لانا ایمان مبتوع کہلاتا ہے مومنوں پر ایمان لانا ایمان معصوم کہلاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نامرادی سے انسان کس طرح بچ سکتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے یہی اپنی قومی زندگی میں اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ اصلی ایمان یہ ہے کہ انسان خدا کے رسولؐ کی ہدایات کے مطابق اپنے اعمال کو ڈھال لے جن کا انہوں نے حکم دیا ہے اس پر بخوشی عمل کرے اور جن کاموں سے انسان کو منع کیا ہے ان کے نزدیک تک نہ جائے انہی اعمال سے انسان کی نیت پرکھی جا سکتی ہے ایک انسان کے سیرت و کردار کو پرکھنا ہی ایمان کی کسوٹی ہے"

خدا تعالٰی نے اس دنیا میں جہاں گوناگوں مخلوقات اور رنگ رنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں
یہاں اس نے کچھ متضاد چیزیں بھی تخلیق کی ہیں جن کا اجتماع یعنی باہم ملنا ناممکن ہے جیسے سفیدی و
سیاہی، دن رات، گرمی اور سردی، روشنی و تاریکی۔ یہ حقیقت تو ہر فرد پر عیاں ہے کہ خدا نے
اس کائنات کا تمام سلسلہ اپنی بڑھائی اور کبریائی ظاہر کرنے کے لئے ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ خدا کسی
کی عبادت کا حاجت مند نہیں۔

خدا تعالٰی کے لئے حق کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی صداقت کے ہیں اس کے مقابل
لفظ باطل ہے۔ باطل ہر قسم کے کفر، مکر و فریب، فسق و فجور۔ فتنہ و فساد اور قتل و غارت
وغیرہ کے لئے آتا ہے۔

سورۂ نور میں ارشادِ خداوندی ہے یعنی "ہم نے کھول کھول کر حق و باطل کا فرق بتانے والی
آیات اُتاریں۔ خدا تعالٰی جسے چاہتا ہے ان آیات کے ذریعے اپنے بندوں کو سیدھا راستہ دکھاتا
ہے"۔ ایک اور جگہ خدا تعالٰی فرماتا ہے "کیا ان لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا یہ لوگ شک
میں پڑے ہوئے ہیں کہ خدا تعالٰی ان کی حق تلفی کرے گا ایسے لوگ ایماندار نہیں ہیں وہ خود اپنے
اوپر ظلم کرنے والے ہیں"۔

تسخیر سے مراد (کفر و باطل) کو زیر کرنا اور پرچم اسلام کو بلند کرنا ہے جس قوم میں اپنے دین
ملک و ملت کی سربلندی کی خاطر مرنے کی تڑپ ہو وہ قربان ہو جانے کو اپنا اولین فرض سمجھتی ہے
ایثار اور قربانی کی منزل سہل نہیں ہے۔ بلکہ بڑی کٹھن ہے اس لئے کٹ مرنے کی اسی دل میں
تڑپ پیدا ہو سکتی ہے۔ جس میں حق یعنی صداقت اور دین اسلام کی خاطر جان قربان کرنے کا
جذبہ ہو۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ے ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

سچائی کے لئے جن قربانیوں کی ضرورت ہے وہ ان جھوٹے تصورات اور لغو نظریات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں جو جدید دور کے مسلمانوں نے اپنے ذہنوں میں پیدا کر رکھے ہیں اعلیٰ اختیارات دنیاوی جاہ وجلال، مال و دولت، ذاتی عزّ و وقار اور ذاتی مفاد یہ سب چیزیں بے حقیقت ہیں ان سب سے اپنے آپ کو پاک کرنا چاہیئے تاکہ مسلمان اسلام کے دشمنوں کے سامنے اپنا سر فخر سے بلند کر سکیں۔

آج کل ہماری قوم غلط راہوں پر چل نکلی ہے۔ باطل کے مقابلے میں حق کا بول بالا کرنے اور قوم کا وقار بلند کرنے کی بجائے الٹا یہ قوم اپنے پاک وطن کو بھنور میں پھنسا رہی ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس روش کو ترک کر دیں تاکہ حق کا نام روشن ہو۔ جو فرد معاشرہ، مذہب اور احکام خدا سے منہ موڑ کر فتنہ و فساد، ریاکاری، یکطرفہ کاروائی، قتل وغارت اور فریب میں مبتلا ہو جائے وہ باطل ہے تاریخی واقعات گواہ ہیں اور دورِ جدید کے حالات شاہد ہیں کہ حق کو باطل کے مقابلے میں ہمیشہ فتح اور باطل کو شکست ہوئی ہے اگر نقصان پہنچے بھی تو منافقین سے پہنچ سکتا ہے۔ صحیح راستہ کون سا ہے؟ اور غلط راستہ کون سا ہے؟ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ انصاف کیا ہے؟ ظلم کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب انسان خود نہیں دے سکتا۔ اس کے لئے اسے خدا کے بھیجے ہوئے بزرگوں اور ان کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اس کے بغیر وہ صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔

خدا تعالیٰ کی ہدایات ہمارے لئے مفید ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میری اور میرے رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم ہدایات پاؤ۔ جو شخص خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا۔ خدا سے ڈرے گا۔ وہی فلاح پانے والا ہے۔ لہٰذا ہمیں حق کی خاطر باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے"۔

اطمینانِ قلب

جس طرح جسم کی نشوونما کے لئے اچھی خوراک اور صاف ستھرا ماحول ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی نشوونما کے لئے یادِ الٰہی اور احکام خداوندی پر عمل کرنا ضروری ہے اس طرح خدا کی خوشنودی حاصل ہوگی اور خدا کی رضامندی اور خوشنودی ہی کا نام روحانی سکون ہے۔ جیسا کہ کتاب مبین (قرآن) میں آیا ہے۔ خبردار ہو جاؤ کہ روحانی سکون اور اطمینان قلب صرف اللہ کی یاد سے ہی حاصل ہوتا ہے۔"

مال و دولت کی کثرت اور آرام و آسائش خدا کی نعمتیں ہیں۔ یہ نعمتیں انسان کو اس لئے عطا کی گئی ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر ان کی محبت دل میں رکھے گا یا خدا کے احکام کی پابندی کرے گا۔؟

یہ دنیا کارگاہِ انقلابات ہے یہاں کی کوئی چیز بھی ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہتی۔ انسانی تمدن اور تہذیب۔ معاشرت رسم و رواج اور علم و فنون زمانے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح فلسفۂ اخلاق بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ نیا زمانہ۔ نئی جدتیں۔ نیا معاشرہ اور نئی روشنیں اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ موجودہ جدید زمانے میں روحانی ترقی کی بجائے مادی عروج ہی انسان کا مقصد حیات ہو کر رہ گیا ہے۔ انسان یہ حقیقت بھول گیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اسے کیوں پیدا کیا ہے اسے یاد نہیں رہا کہ انسان دنیا میں خدا تعالےٰ کا نائب بنا کر بھیجا ہے یہی انسان جب وحدت کے مشاہدے سے سرفراز ہوتا ہے تو ملائکہ مقربین کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود انسان کسی خاص مقام کا پابند نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ وہ روحانی سکون سے محروم ہے۔

؎ سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

غلط راہوں پر چلنے سے حسرت اور وبال کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اگر انسان علم سے عاری ہوگا تو وہ افراط و تفریط سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

دورِ حاضر میں ہر آدمی صبح سے شام مارا مارا پھرتا ہے۔ مگر اسے سکون حاصل نہیں ہوتا کوئی بچوں کی فکر میں ہے تو کوئی روزگار کی فکر میں۔ کوئی زمین کے چکر میں ہے تو کوئی مزید دولت کے حصول میں کوشاں نظر آتا ہے آج کا انسان ہر حال میں دولت جمع کرنے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت کمانے کو مقصدِ حیات سمجھتا ہے بھلا ایسے انسانوں کو سکون قلب کس طرح حاصل ہو سکتا ہے ان کے دل تو مردہ ہو چکے ہیں۔ جو انسان خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اس کی زمین پر رہے اس کے پیدا کردہ میوہ جات اور پھل کھائے اور گوناگوں نعمتوں سے لطف اندوز ہو مگر خالق حقیقی کا نام تک نہ لے اسے سچی خوشی کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

آیئے! آج سے یہ عہد کرلیں کہ ہم دنیاوی کاروبار کے ساتھ ساتھ خدا کو بھی یاد رکھیں گے اگر ایسا کرنا ہے تو آپ رات کو سونے سے پہلے اپنے آپ سے تین سوال کریں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آج صبح سے شام تک میں نے اپنی ذات کے لئے کیا کچھ کیا؟ جو آپ نے رفاہِ عامہ کی بہتری اور بھلائی اور قوم کی بہتری اور ملکی ترقی کے کام کئے۔ ان سب میں اگر مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو اس سے بھی آپ کو سکون قلب حاصل ہوگا۔ خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سکون قلب عطا فرمائے

اطاعت رسولؐ

حضور نبی اکرم (صلعم) ارتقائے انسانیت کے معراج تھے۔ آپؐ کا وجود مبارک ہر لحاظ سے مثالی تھا۔ دُنیا میں خواہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی کیوں نہ ہو وہ حضور پاکؐ سے بہر حال نیچے ہی ہے خدا نے آپؐ کی طرز زندگی کو ہر ایک زمانے کے لئے اُسوۂ حسنہ یعنی مثالی اور معیاری نمونہ قرار دیا ہے آپؐ کی شریعت بھی آپؐ کی ذات کی طرح مکمل ہے اس میں کسی قسم کی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں قرآن پاک نے آپؐ کو خاتم النبیّن اور رحمت اللعالمین کے خطاب سے بھی نوازا ہے۔ زندگی کے ہر مرحلے میں آپؐ نے انسانوں کے لئے ایک مثالی نمونہ بن کر دکھایا۔ آنحضرتؐ کی ذات پاک میں نبوتؐ اور انسانیت کے تمام کمالات جمع تھے۔ اطاعت رسولؐ سے گریز ہو یا اطاعت خُدا وندی کا انکار نتیجہ کے لحاظ سے دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار صریحاً کفر ہے۔

حضور نبی اکرمؐ سے تعلق رکھنے کے لئے تین مرحلے ہیں (۱) ایمان (۲) اطاعت (۳) اور اتباع ایمان یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو برحق نبی تسلیم کیا جائے اور اس کا اعلان بیانگ بلند اور سرعام کیا جائے اطاعت میں یہ بات شامل ہے کہ آپؐ کے احکام پر عمل کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا عار محسوس نہ کیا جائے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر بہترین کردار و عمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ اتباع یہ ہے کہ دل وجان سے حضور پاکؐ کی اطاعت کی جائے اور اس میں لیت و لعل سے کام نہ لیا جائے بلکہ نبی اکرمؐ کی عادات کو اپنایا جائے تمام مسلمانانِ عالم پر آپؐ کی پیروی کرنا فرض ہے خدا تعالےٰ کا فرمان ہے کہ ترجمہ "جس نے رسول اکرمؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی"۔ خدا تعالیٰ نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے اس سلسلہ میں مزید وضاحت فرمائی ہے "ہم نے آپؐ پر قرآن اُتارا۔ تاکہ آپ خدا کی بھیجی ہوئی وحی کو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دیں اور غور و فکر کریں۔ حضور پاکؐ کی تعلیمات میں درج ذیل اہم اور بنیادی امور شامل ہیں۔ قرآن پاک کی

کی آیات لوگوں کو سنانا اور ان کی روحانی پاکیزگی کا سامان مہیا کرنا۔ مسلمانوں کو حکمت و دانش کی تعلیم دینا۔ نماز۔ روزہ۔ زکواۃ اور حج کے آداب سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔ حلال و حرام کی تمیز کے لیے اصول بنانا۔ آنحضرتؐ نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اب ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔ قرآن پاک میں ہے کہ جس نے رسول پاکؐ کی پیروی کی وہ مراد کو پہنچا۔ حضور نبی اکرم نے فرمایا ہے کہ "جس نے میری سُنّت کے خلاف کوئی بات پیدا کی وہ مسترد ہوگی" رسول پاک کی سُنّت اور اسوۂ حسنہ کا علم احادیث سے ہو سکتا ہے جو شخص اپنی سب سے پیاری چیز سے بھی بڑھ کر نبی اکرمؐ کو زیادہ عزیز سمجھتا ہے وہ مومن ہے"۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبّت کی۔

آنحضرت نے عبادات اور اعمال صالح پر بہت زور دیا اور انہیں مقصدِ حیات قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم حضور پاک کے اسوہ حسنہ کی اطاعت کریں عہد اوّل کے مُسلمانوں کی کامیابیوں کا یہی راز تھا کہ وہ اطاعت رسولؐ کو فرض اوّل جانتے تھے اسلام کے بتائے ہوئے نظام کو باقاعدہ نافذ کئے ہوئے تھے آج ہماری حالت اس سے برعکس ہے حالات کی تصویر بگڑ چکی ہے اور مسلمان دین و دنیا کی کامیابیوں سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں روز بروز اسلامی تہذیب و تمدّن سے دور ہو کر ذلّت کے گڑھے میں گر رہے ہیں وہ اعمال جو فلاح و بہبود کا ذریعہ، کامیابی و کامرانی کا زینہ اور نجات کا سبب تھے۔ وہ اب ایک قصّہ پارینہ نظر آتے ہیں۔ دُعا ہے کہ رب العالمین ہم سب کو سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نفس کا خواہشات کے ساتھ مقابلہ کرکے خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کو صبر کہتے ہیں ہمیں لذات قبیحہ کا عادی نہیں ہونا چاہیئے خدا نے فرمایا ہے۔ ترجمہ۔ جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہوتے وقت ڈرا اور اپنے نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا۔ اس کا ٹھکانہ یقیناً بہشت ہے دنیا کے کسی کام میں اگر ہمیں ناکامی ہو جائے اور ہمارا مقصد پورا نہ ہو تو ہمیں برہم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کے برعکس صبر کرنا چاہیئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس میں ہماری بہتری ہو۔!

مصیبت کے وقت بھی انسان کو صبر و تحمل کے ساتھ ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ صبر انبیاؑ کے اوصاف میں سے ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے۔ ترجمہ: "پس صبر کرو، جیسا کہ عالی ہمت انبیائے نے صبر کیا۔" حدیث شریف میں بھی صبر کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "صبر کشادگی کی کنجی ہے" صبر کرنے والے انسان کا خدا تعالیٰ حامی و ناصر ہوتا ہے۔ صبر کے دامن میں قناعت ہے۔ اور قناعت وہ بہترین خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا ہمیں چاہیئے کہ کھانے پینے کی چیزوں پر بقدر ضرورت اکتفا کریں۔ صبر اگرچہ تلخ است، ولیکن ثمر شیریں است صبر اگرچہ کڑوا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ دورِ حاضر کے حالات شاہد ہیں کہ جلسے جلوس نکالنا مظاہرے کرنا روز کا معمول بن گیا ہے حتیٰ کہ مطالبات منظور ہو جانے کے بعد بھی لوگ صبر نہیں کرتے قرآن میں آیا ہے۔" اے لوگو! صبر کرو اور ثابت قدم رہو۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاؤ۔" خدا تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے کہ میری حدود کو ہرگز ہرگز نہ توڑا جائے تجاوز کرنے والا ظالموں میں سے ہوگا اور وہ خسارے میں رہے گا۔" اس معاملے میں صبر بہت لازمی ہے۔" ہمیں دنیا کی مشکلات و مصائب انتہائی فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنے چاہئیں۔ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سکت اور طاقت نہ ہو تو مصیبتوں کو عزم و ہمت کے ساتھ برداشت کرنا اور خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کو نہ چھوڑنا بھی صبر کرنا کہلاتا

ہے۔ دشمن پر غلبہ حاصل ہو جائے تو بھی صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ مغرور ہو کر صبر کا دامن چھوڑ دے اور ظلم کے ارتکاب پر اتر آئے۔ ؟

ایک دفعہ حضورؐ نے ایک یہودی سے قرض لیا اس نے مقرر میعاد سے پہلے ہی قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور وہ یہودی آنحضرت سے سخت کلامی سے پیش آیا۔ صحابہ کرامؓ نے اسے سزا دینا چاہی۔ اس پر حضور پاکؐ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو منع کیا۔ یہودی نے آپؐ کے صبر سے متاثر ہو کر دین اسلام قبول کر لیا۔

اگر ہم صبر کر کے تندہی اور دیانت داری سے اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہمہ تن معروف رہیں اور بدامنی انتشار کے وقت صبر سے کام لیں تو امن کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔ صبر اور تحمل کے مفہوم میں فرق ہے صبر کے معنی روکنے سہارنے اور باندھنے کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مشکلات۔ مصائب اور دشواری میں اپنے آپ کو گھبراہٹ اور اضطراب سے روکے اور ثابت قدمی سے اپنے اصولوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ دشمن کی بے بسی کے عالم سے فائدہ نہ اٹھائے یعنی اس سے انتقام نہ لے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ترجمہ:۔ "حق کی راہ میں جو مصیبتیں ہمارے بندوں پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی وہ باطل کے آگے کبھی سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے صبر کرنے والوں کو خدا پسند کرتا ہے" تحمل کے معنی غصہ اور اشتعال کو برداشت کرنا ہیں صبر و تحمل لازم و ملزوم ہیں۔ جس انسان میں یہ دونوں کار فرما ہوں اس پر بردباری اور استقلال جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ دشمن سے بدلہ لینے کی پوری ہمت اور قدرت رکھنے کے باوجود غصہ کو پی جانا صبر و تحمل کہلاتا ہے۔

آنحضرتؐ سراپا صبر و تحمل تھے آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بدترین سے بدترین دشمن جب بھی شکست کھا کر سامنے آیا۔ سراپا رحمتؐ نے اسے معاف کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ "آپؐ نے کبھی کسی سے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔"

اخلاق اور انسانیت

خوش خلقی انسان کی بہترین خوبیوں اور بد خلقی انسان کی بدترین عادات میں سے ہے ظاہرداری اور ریاکاری منافقت کے مترادف ہے عمدہ اخلاق کے لئے ہمارے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہونی چاہیئے۔ ہمارے قول و فعل میں تضاد نہیں ہونا چاہیئے اس میں لوگوں کو سبز باغ دکھا کر دھوکہ نہیں دینا چاہیئے۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں دیانتداری سے کام لینا چاہیئے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے تولتے وقت ترازو سیدھی رکھو اور وزن میں کمی مت کرو"۔

شرفا و نجبار کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ متوسط طبقہ کے لوگوں سے لے کر سلاطین تک کیلئے منافقت سے احتراز کرنا لازم ہے۔ کوئی کردار و عمل جو امور قبیحہ کا موجب ہو بعید از عقل و دانش ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑا شجاع وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔ قواعد حکمت کی رو سے اخلاق۔ مزاج کے تابع ہوتا ہے چونکہ مزاج قابل تغیر نہیں لہذا اخلاق قابل تغیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہمیں اپنی طبعیت کو بچپن سے نیکی کی طرف راغب اور بدی سے دُور رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور خدا کی طرف سے مرتبۂ خلافت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ انسان متضاد صفات یعنی ہدایت و ضلالت کی پوری قابلیت رکھتا ہے۔ انسان کلیتہً تمام امور پر محیط اور کل عناصر یعنی جمادات۔ نباتات اور حیوانات پر حاوی ہے۔ اسی لئے انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے یعنی وہ حیوانات چرند۔ پرند اور دیگر تمام مخلوقات پر فوقیت رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل و دانش اور دوسری قوتیں عطا کی ہیں۔ انسان عاقل ہونے کے باوجود اگر اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کرے یا ناشائستہ حرکات کا مرتکب ہو تو وہ انسان کہلوانے کا مستحق ہی نہیں ہے بداخلاق انسان سے انسانیت ہی مفقود ہو جاتی ہے اور اور اس کے کردار و عمل سے حیوانیت کی بُو آنے لگتی ہے۔ اخلاق سے انسان کے ظاہر و باطن کا اندازہ ہو

جاتا ہے جیسے برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے اگر پھل اندر سے خراب ہے تو وہ سارا ہی خراب ہے اور قابل استعمال نہیں ہے۔ اسی طرح اگر باطن خراب ہے تو سب کچھ خراب ہے۔

ہمیں امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ عمل اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔ خائن امین کی ضد ہے۔ امین دیانت دار کو کہتے ہیں اور خائن امانت میں خیانت کرنے والے کو، اعلیٰ منصب و اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی امانت میں خیانت کرنے کے مترادف ہے۔ خائن سنگ سار ہونے کا مستحق ہے یہ جرم قابل معافی ہرگز نہیں۔ ہمیں اپنی قوم اور ملک سے وفاداری کرنی چاہئیے رشوت خوری کنبہ پروری ذخیرہ اندوزی۔ اشیائے خورد و نوش پر زیادہ منافع خوری سے احتراز کرنا چاہئے منافق عبداللہ بن ابی غدار میر جعفر اور شیخ مجیب کے کردار و عمل ہرگز نہیں اپنانے چاہئیں۔ قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری چیز کوئی نہ ہوگی ایمان کے بعد افضل ترین نیکی مخلوق خدا کو آرام پہنچانا ہے۔ حضور نبی صلعم کا ارشاد ہے۔

"جس کو مسلمان بھائی کا غم نہیں وہ میری اُمت میں سے نہیں"

نفاق قوموں کے زوال کا سبب ہوتا ہے۔ سقوط مشرقی پاکستان بھی نفاق ۔ بے راہ روی اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔ ہمارے ملک میں زندگی کی ہر سطح پر بدنظمی، بے روزگاری۔ انتشار اور افراتفری بھی اخلاقی گراوٹ کی پیداوار ہیں۔ اس لئے ہر انسان کو چاہیئے کہ قوتِ حسّی۔ شہوی اور غضبی کو اپنی عقل و دانش کے مطیع رکھے۔ اگر ایسا ہو تو انسان کا رتبہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے اس کے برعکس اگر انسان ان قوتوں کو عقل و دانش پر غالب کرے تو وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

خدا ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اُمّتِ محمدیؐ کے فرائض

اُمتِ محمدیؐ ایک متوازن اور معتدل اُمت ہے۔ اس کی جو کچھ شان بیان کی گئی ہے اتنے ہی زیادہ اس کے فرائض بھی ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کے دُنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ساری اُمت پر یہ فرض ہے کہ وہ دنیا میں دین اسلام کا پیغام پہنچائیں یہ پیغام زبان کے ساتھ ساتھ عملاً بذاتِ خود اسلامی کردار میں ڈھل کر نیکی کا مجسمہ بن کر دنیا کے سامنے اس فرض کو پورا کرنا ہے۔ !

سابقہ اُمتوں پر صرف اس قدر فرض تھا کہ وہ اپنے نبیوں کے بتائے ہوئے اصولوں اور راہ ہدایت پر چل کر اپنے آپ کو اچھے کردار میں ڈھالیں۔ مگر مسلمانوں پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ خود دوسروں کے لئے بھی نمونہ بنیں اور انہیں ابلاغ کے تمام وسائل کے ذریعے نصیحت کریں اور راہِ ہدایت دکھا کر ان کی اصلاح کریں۔ آنحضرت خاتم النبینؐ کے بعد اب کوئی نبیؐ اور کوئی نیا ہدایت دینے والا نہیں آئے گا حضور پاکؐ آخری نبیؐ ہیں اور آپ کا پیغام بھی آخری ہے۔ گویا اس آخری پیغام یعنی دین اسلام کو پھیلانے کا کام مسلمانوں کے سپرد ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس آج کل کے مسلمان زیادہ تر روحانیت کی بجائے مادیت کے پرستار نظر آتے ہیں۔ وہ دینی درسگاہوں اور مسجدوں سے باہر نکل آئے ہیں اور سیاسی میدان میں کرسیوں کے حصوّل کے لئے ایک دوسرے سے دست وگریباں ہیں ایک دوسرے کے خلاف بہتان تراشی کر رہے ہیں کئی علماء جو مفتی بھی کہلاتے ہیں در پردہ سازشوں میں میں مصروف ہیں لسّانی اور صوبائی عصبیت کو ہوا دے رہے ہیں یہ علماء خدا کے حضور میں اس بات کے لئے جواب دہ ہوں گے کہ انہوں نے شہادت حق کا فرض کیوں ادا نہ کیا۔

ہمارے موجودہ زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دینی فرائض سے غافل ہو چکے ہیں لہذا ان مسلمانوں کے لئے جو امت محمدیؐ ہونے کے دعویدار ہیں ضروری ہے کہ [illegible] کی آگاہی حاصل کریں۔ ہم مسلمان مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک اُمت محمدیؐ کی ڈوری سے اخوت اور بھائی چارے کے تحت بندھے ہوئے ہیں۔ ہمیں اُمتِ مسلمہ بھی کہا گیا ہے اور اُمت محمدیؐ بھی خواہ

کسی خطے کے رہنے والے ہوں۔ یاکوئی بھی زبان بولتے ہوں۔ ایک دائرہ اسلام میں ہیں ہم تمام معاشرے میں بھائی بھائی ہیں ایک ہی نبیؐ کی اُمت ہونے کی بناء پر دین اسلام کا رشتہ ہمیں وحدت کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔

اُمت محمدیؐ کا ہر رکن یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے دیوار کی اینٹ کی حثیت رکھتا ہے مسلمان مختلف زبانیں بولتے ہوں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہوں اور معاشرتی حالات بھی مختلف ہوں۔ لیکن پھر بھی وہ امت محمدیؐ کے افراد تسلیم کئے جاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے لوگوں کے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔ امت محمدیؐ کی پیغام کے ذریعہ تقدیر بدل دی انہوں نے سوئی ہوئی مسلم قوم کو جگایا۔ صدہا سال کے بھٹکے ہوئے قافلے کو آشنائے منزل کیا۔ اور اس کی زندگی کا نصب العین متعین کر دیا۔ علامہ اقبالؒ کے کلام نے مسلمانوں کے لئے صور اسرافیل کا کام کیا۔ پاکستان کی تشکیل انہی خوابوں کی تعبیر اور معجزانہ کلام کا کرشمہ ہے۔ علامہ اقبال کا نظام فکر قرآن سے ماخوذ ہے۔

علامہ اقبال کے تمام خیالات اور تصورات اسلامی تعلیمات ہی سے لئے گئے ہیں ان کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مقصد ایک ترقی یافتہ اور مثالی انسانی معاشرے کے قیام کے لئے کوشش کریں۔

مسلمان جہاں بھی ہیں جس خطہ میں ہیں مختلف مسائل کا شکار ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں میں اتحاد سے چشم پوشی ہے۔ حالانکہ رب العزت نے امت محمدیؐ کو اپنے کلام میں خاص طور پر ایک ہونے پر زور دیا ہے۔ اتحاد کے لئے مسلمانوں کے رنج والم کا حل نہ اشتراکیت میں ہے نہ جمہوریت میں۔ مسلمانوں کے تمام دکھوں کا مداوا صرف اسلام ہی کر سکتا ہے اسلامی قوانین کے نفاذ سے نہ صرف اُمت محمدیؐ کا مقصد پورا ہوگا بلکہ تمام دنیا کی نجات کا باعث بھی ہوں گے۔

پردہ اور فرنگی تہذیب

پردے کا مقصد عورتوں اور مردوں کے اخلاق کی حفاظت کرنا ہے۔ پردے کی پابندی سے ان خرابیوں کا تدارک ہو سکتا ہے۔ جو مخلوط معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول سے پیدا ہوتی ہیں۔ عورت کی اصل جگہ گھر کی چار دیواری ہے کیونکہ وہ ایک قابل احترام ہستی ہے وہ ایک ماں ہے۔ بہن ہے۔ بیٹی ہے اور پھر بیوی بھی ہے۔ وہ قوم کے نونہالوں کا کردار بناتی ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے جہاں شخصیتیں بنتی اور سنورتی ہیں اور اذہان تسکین و نکھار حاصل کرتے ہیں۔ لہذا اگر پہلی درس گاہ کی تربیت اچھی نہ ہوگی تو نوجوان ہونے کے بعد کی تربیت سود مند نہ ہوگی۔

فرنگی تہذیب میں عورت کو کھلی چھٹی دے دی گئی ہے۔ ماں بننے سے اسے خوف آتا ہے وہاں یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ مرحوم

؎ مرد بے کار و زن تہی آغوش

مغربی تہذیب میں عورتوں کا عام رجحان یہ ہے کہ بچے پیدا کرنا اور ساری توجہ گھریلو کاموں اور تربیت اطفال پر صرف کرنا حیوانی کام ہے اور مغربی تہذیب کے لحاظ سے یہ ادنیٰ ملازمہ کا کام ہے لیکن یہ تصوّر اسلامی نظریات کے سراسر منافی ہے۔ فرنگی تہذیب کے ذریعے عورت زیورِ تعلیم سے آراستہ ہو کر زن سے نازن سے ہو گئی۔ علامہ اقبالؒ مرحوم نے فرمایا ہے

؎ جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ۝ کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

ہم مسلمان اسلامی اصولوں سے روگردانی کر رہے ہیں۔ ہم نے اسلامی روایات کو بھلا دیا اور دین اسلام کو فراموش کر دیا ہے ہمیں اس کی سزا مل چکی ہے۔ اگر اب بھی ہم نے اپنے اعمال درست نہ کیے تو خدا جانے آگے کیا ہو گا۔

اب ہماری لڑکیاں ڈگریاں لے کر مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرتی ہیں۔ قوم کی بہنیں

کی نسوانیت ختم ہو گئی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے نئی تہذیب پر یوں طنز کی ہے۔

؎ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں ○ یہ نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

ان گندے انڈوں کو آج کل کی زبان میں ہپی بوائز اور ٹیڈی گرلز کہا جاتا ہے۔ آج وہ دور آگیا ہے کہ انسان نئی نسل کے نمائندوں کو دیکھ کر شبہ میں پڑ جاتا ہے کہ آیا وہ لڑکا ہے یا لڑکی یعنی لڑکا لڑکی نظر آتی ہے اور لڑکی، لڑکا

بقول شاعر:۔ اس دور میں ہر نقشہ اُلٹا نظر آتا ہے۔
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے۔

عام نوجوانوں کی یہی حالت ہے کہ اُنہیں اپنی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کو کھلے منہ سر بازار تماشا بنا ہوا ہوں۔ کلبوں اور سینماؤں میں اپنے ہمراہ لے جانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض لوگ اس میں فخر کرتے ہیں۔ ہمارے نوجوان دوسروں کی عورتوں پر آوازے کستے ہیں۔ حتیٰ کہ چھیڑ چھاڑ اور دست درازی پر اتر آتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے اور سوچتے کہ کوئی دوسرا ان کی بہو بہنوں سے ایسا کرتا تو ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

دراصل آج جتنی خرابیاں ہماری تہذیب میں جڑ پکڑ چکی ہیں ان کی ایک بڑی وجہ یہی بے پردگی ہے۔ اسلام نے نظام معاشرت کو برقرار رکھنے کے لئے عورت اور مرد دونوں پر چند پابندیاں عائد کی ہیں۔ دونوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں تاکہ وہ دونوں شیطانی ترغیبات سے محفوظ رہ سکیں۔ جب نگاہ آوارہ ہوتی ہے تو عقل پر پردہ چھا جاتا ہے۔

پردہ فتنہ و فساد روکنے کا ایک ذریعہ اور عورت کی عزت و ناموس بچانے کا وسیلہ ہے عورتوں کو بناؤ سنگار کر کے باہر نہیں جانا چاہیے۔ حضور پاکؐ کا فرمان ہے جب عورت بن سنور کر باہر نکلتی ہے۔ تو شیطان اسے دیکھنے لگتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑا عیب یہ ہے کہ آج کے مسلمانوں میں رُوحانی ترقی کی بجائے مادی ترقی پر زیادہ توجہ ہے۔ فرنگی تہذیب نے ہمارے معاشرے میں غیر شعوری طور پر تبدیلی

کر دی ہیں۔ عورتوں کے لئے شرم وحیا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہی خوبی انہیں نیکی کی طرف لے جاتی اور برائی سے بچاتی ہے۔ حیار برائی کے لئے باڑ کا کام دیتا ہے۔ اور حیار کے لئے پردہ ضروری ہے۔

قرآن پاک میں سورۂ نور پردے کے بارے میں واضح طور پر ارشاد ہے" اے پیغمبر صلعم! اپنی بیویوں۔ بہنوں اور بیٹیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے چہروں پر نقاب اوڑھ لیں۔ اور سچے مومنوں کی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں سے کہہ دیں کہ وہ بھی کہ غیر محرم کے سامنے بے پردہ نہ جائیں اور اپنے چہروں پر نقاب اُوڑھ کر جائیں۔

جب مسلمان خواتین ضروری کام کے لئے باہر جائیں تو نقاب اوڑھ کر جائیں انہیں دوپٹے گلے میں ڈال کر اپنے حسن و زینت کی نمائش نہیں کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو فرنگی تہذیب سے بچائے اور انہیں حضور صلعم کے لائے ہوئے احکامات کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرنے کی توفیق دے اور مسلمان خواتین کو شرم وحیار اور باپردہ زندگی بسر کرنے کی ہدایت دے۔ آمین۔ ثم آمین

مسلمان اور مغربی تہذیب

تہذیب کے معنی ہیں۔ رہن سہن کے طور طریقے۔ لہذا ہر ملک کے رہن سہن کے
کے طور طریقے ان کے اپنے کلچر اور تہذیب اور خاندانی روایات کے مطابق ہوتے ہیں ہر
ملک کی تہذیب دوسرے ملک کی تہذیب سے مختلف ہے جیسے مغربی ممالک کی تہذیب
میں زمین و آسمان کا فرق ہے مغرب میں فحاشی اور عریانیت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے مردوں
اور عورتوں کا عریاں لباس پہننا۔ راتیں کلبوں میں گزارنا۔ رقص کرنا اور شراب پینا یہ
سب کچھ ان کی تہذیب میں داخل ہے۔ ہماری اسلامی اور مشرقی تہذیب میں اس قسم
کے کردار و عمل کی قطعاً اجازت نہیں۔ کسی ملک کی تہذیب یا ثقافت ملکی روایات کی صحیح
اور نمایاں ترجمانی کرتی ہے۔!

آج کی نئی تہذیب کے جو دلدادہ مشرقی ممالک میں رہتے ہیں۔ مغربی ممالک کی تہذیب
کی جوں کی توں نقل کر رہے ہیں۔ ہمارا موجودہ معاشرہ احساس کمتری کا شکار ہے جو مغربی
تہذیب کو عزت و وقار کا نام دے کر اسے اپنانے کی ناکام کوشش کرتا ہے ورنہ دنیا کا کوئی
ملک بھی کسی دوسرے ملک کی تہذیب نہیں اپناتا۔ کیا کسی نے کبھی کسی انگریز کو شلوار قمیض
اور سر پر جناح کیپ پہنے دیکھا ہے۔ یا کسی برطانوی میم کو مشرقی لباس میں گزر بسر کرتے دیکھا
ہے۔؟ یقیناً نہیں ! اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آج کی نئی تہذیب اسلامی تہذیب
سے بالکل بے بہرہ ہے۔

اسلامی تہذیب کسی کافر کی تہذیب کی نقل کی اجازت نہیں دیتی آنحضرت ؐ کا ارشاد ہے
ترجمہ:۔ "جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ اسی میں سے ہے ؟"
دوسرے الفاظ میں اس شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
آج کون ہے جس نے صحیح اسلامی تہذیب اپنائی ہے ہر کوئی یورپی اقوام کی نقل کرنے

پر تلا ہوا ہے اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ ہمارا اپنا معاشرہ یا اسلام اس بات کی اجازت بھی دیتا ہے یا نہیں۔ ؟

نئی تہذیب یا اس تہذیب کے حاشیہ برداروں کو دیکھ کر یہ یقین نہیں آتا کہ یہ مسلمان ہیں ۔ ؟ ان کی باتیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ غلط تعلیم و تربیت سے بھی ہماری نئی نسل اپنے معاشرے سے کٹ کر رہ گئی ہے۔ اگر مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے سیل رواں کو روکا نہ گیا تو خدا جانے مستقبل میں ہمارا کیا حشر ہوگا ؟

دنیا کا کوئی اخلاقی نظام اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اسے ایک مضبوط ہستی کی پشت پناہی حاصل نہ ہو یا اس کے پیچھے کوئی مثبت اور قانونی نظام موجود نہ ہو۔ مشرق کے قدیم مذہبی نظام صرف فرد کی اصلاح اور اس کی روح کو پاک کرنے میں کوشاں رہے۔ اسلام ایک ایسی تہذیب چاہتا ہے جو بناوٹ اور تکلفات سے پاک ہو۔ اس کی بنیاد خلوص و محبت حیا، امن پسندی۔ عدول و انصاف۔ ہمدردی۔ خیر خواہی اور مساوات پر ہو۔ مسلمانوں کو ایک ایسے معاشرے کو تشکیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو زندگی کو امن اور سکون کی دولت سے مالا مال کر دے تاکہ ہماری تہذیب... صحت مند قدروں پر چلنے لگے ۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک میں مسلمانوں سے فرمایا ہے۔ ترجمہ:۔

اے مسلمانو خدا سے ڈرو۔ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے مسلمان ہونے کی حیثیت سے خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔ ! اور اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کو یاد کرو کہ تم آپس میں دشمن تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم بھائی بھائی ہو گئے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور بھائی کو اپنے بھائی کے بارے میں کبھی کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ اس سلسلہ میں اسے

غریب بھائی کی امداد کرنی چاہیئے جب وہ کسی مصیبت میں گھر جائے۔ کیونکہ تہذیب اسلامی کا یہ بھی ایک نمایاں پہلو ہے۔ اسلامی تہذیب و معاشرت کا نظام صرف اس صورت میں برقرار رہ سکتا ہے تمام افراد اتفاق و اتحاد کے مضبوط رشتوں میں منسلک ہوں لغزشوں کو دل میں جگہ نہ دیں۔ بدگمانی نہ کریں وہ کام نہ کریں جس سے اسلامی اور مشرقی تہذیب کے بدنام ہونے کا اندیشہ ہو۔

مغرب کی اندھی تقلید نے مشرقی اقوام کو خود آگاہی سے بے گانہ کرنے میں ہر قسم کے حربے استعمال کئے ہیں اور جو لوگ مغربی تہذیب کے چکر میں پڑ چکے ہیں ان کے لئے اس سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ اسلامی تہذیب ہی ہو سکتا ہے بشرطیکہ ایسے لوگ دِل سے مغربی تہذیب سے نجات چاہتے ہوں !

جو مسلمان حقائق کو ترک کرکے مغرب کی ظاہری چمک دمک اور نمود و نمائش سے دھوکہ کھا کر فرنگی تہذیب کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ تہذیب جو مسلمانوں کو اپنانی چاہیئے مغرب والے اس تہذیب سے اپنی پسند کے اچھے اچھے اصول اپنا رہے ہیں۔ مگر ہم مغربی تہذیب کی ظاہری نمود و نمائش کے رسیا بن چکے ہیں اسی نمائش نے مسلمانوں کی تہذیب میں خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیئے کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی مغربی اقوام کی تہذیب اختیار کرنے سے مسلمان اپنی تہذیب اور اسلامی معاشرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں جو کسی بھی طرح مُسلمان کے شایان شان نہیں ہے۔

ہم نے پاکستان محض اس لئے حاصل کیا تھا کہ ہماری تہذیب و تمدن غیر مسلمانوں سے" قطعی الگ تھلگ ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسانی قدروں اور تہذیب و تمدن کو خلوص، محبّت مساوات اور شرم و حیاء کی بنیادوں پر براستہ اقدام ہے۔"

آج کل بار بار زلزلے آ رہے ہیں۔ حادثات رونما ہوتے ہیں۔ پانی کے منبع خشک ہو گئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے نامۂ اعمال کے پر تو ہیں ہمیں بارگاہ ایزدی کے احکام پر خلوص دل

ے عمل کرنا چاہئیے اپنی تہذیب کی طرف لوٹنا چاہئیے۔ ایک دوسرے سے محبت اور خلوص سے
پیش آنا چاہئیے ذاتی اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈال کر قومی اور ملّی کاموں کو بخوشی سرانجام
دیتے ہوئے خدا سے گذشتہ کوتاہیوں کی معافی مانگنی چاہئیے ۔

نفس امّارہ

فی الجملہ انسان تین کیفیتیں ہیں یعنی نفسِ امّارہ۔ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ۔ نفس امّارہ کے معنی اپنے آپ کو دنیاوی لذّات میں مصروف رکھنا ہے۔ یہ نفس لوگوں کو بُرائی کے ارتکاب پر برانگیختہ کرتا ہے نیز کھانے پینے کی چیزوں سے لذّت حاصل کرنے اور بُرائی کا شوق بھی دلاتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنی پسند کی اشیاء حاصل کرنے کے لئے خواہش کرتا ہے۔ خواہ وہ جائز طریقے سے حاصل ہوں یا ناجائز طریقے سے، یہ سب سے گھٹیا اور کمترین نفس ہے۔ جو لوگ دُنیاوی لذّات میں پڑے ہوئے ہیں اور نفسِ امّارہ کے شکار ہیں۔ وہ علاقائی لسانی اور صوبائی تعصّبات کا شکار ہیں۔ یہ لوگ اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے لوگوں کو تشدد پر اُبھارنے اور منافرت پھیلا کر قوم کی جڑوں کو کھوکھلا کرتے ہیں انہی میں سے بعض لوگ اچھے کاموں کی تعریف کرتے ہیں لیکن وہ خود بُرائی میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے لئے محنت۔ صبر اور شکر۔ جو اشرف المخلوقات انسان کی اعلیٰ صفات ہیں ناقابل برداشت ہیں۔ انہیں اچھا کھانے کی بھی رغبت و حرص ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کند ذہن اور غبی ہوتے ہیں۔ آپ انہیں جتنا بھی سمجھائیں لیکن ان پر سب نصائح بے اثر ثابت ہوتی ہیں دُنیاوی لذات کے شکار لوگ خولصورت زرق برق اور فیشن ایبل لباس کے بھی دلدادہ ہوتے ہیں گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ جس سے وہ اپنی عمر۔ رزق اور وقار کو گھٹاتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں

بسیار خور انسان اطمینان قلب سے محروم ہوتا ہے حکمت کی رُو سے زیادہ کھانا ضعف بدن، فسادِ عقل۔ ضیاعِ عمر اور نقصان مال کا موجب ہے نفس امّارہ کے ہاتھوں میں گرفتار لوگوں کے لیے بعد یک انسان موت کے بعد نیست و نابود ہو جاتا ہے یہ لوگ گمراہ ہیں اور دُنیاوی جاہ و جلال کے دلدادہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے نفس کے غلام ہوتے ہیں ذلیل سے ذلیل تر خواہش

کو پورا کرنے کے لئے اپنے نفس کو مجبور کرتے ہیں ان کے بارے میں جالینوس نے کہا ہے کہ "ایسے لوگ جانور اور خبیث ہوتے ہیں۔"

آج کے انسان مادہ کے غلام اور طاقت کے پجاری ہیں۔ اور اخلاق کو بے کار باتوں مجموعہ تصور کرتے ہیں۔ یہ لوگ فیشن پرست۔ ریاکار۔ نفس پرست اور متعصب ہیں۔ جو قوم نفس امارہ کا شکار ہو وہ زوال پذیر ہوتی ہے۔ جو لوگ اسلامی اصولوں اور ضابطوں سے روگردانی کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ فلسفہ کی رُو سے یہ لوگ انسانیت کے مرتبے سے گر کر حیوانات سے بھی کمتر ہو جاتے ہیں۔ انسان چاہے تو حیوان اور درندہ بن جائے اور چاہے تو ملائکہ مقربین سے بھی سبقت لے جائے کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کو کمال و نقصان قبول کرنے کی اہلیت ودیعت کر رکھی ہے اگر انسان علم و عمل میں نظم و ضبط پیدا کریں تو وہ اخلاقِ پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ علم بغیر عمل بے سود ہے علم آغاز ہے اور عمل انجام نیز علم و عمل دونوں تو تیں باہم مل جائیں تو صحیح معنوں میں انسان خدا تعالےٰ کا نائب بن جاتا ہے اور معبود حقیقی اور خلیفۂ الٰہی کے درمیان سے پردہ ہٹ جاتا ہے۔ یہ انسان کا بلند ترین مرتبہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے بولنا سکھایا۔ قرآن سکھایا۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسے ٹھیکری کے مانند مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اب وہی انسان غافل ہے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا وہ منکر ہے۔ خدا ایسے لوگوں کو نہیں بخشے گا۔ جو دُنیاوی لذات میں مصروف ہیں۔ گنہگار اور نفس امارہ کے شکار لوگوں کو قیامت کے روز پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔

ہمیں دنیاوی لذات میں گھر کر نہیں رہنا چاہیئے۔ دنیاوی لذات ترک کر کے خالق برحق کی عبادت کرنی چاہیئے۔ دنیاوی کاروبار اور کسب معاش کے بعد ذکر الٰہی میں مصروف رہنا چاہیئے اور تمام تر معاملات میں سادگی اختیار کرنی چاہیئے۔ نفس کی دوسری قسم نفس لوامہ ہے یہ نفس برائیوں کے ارتکاب کے بعد انسانی ضمیر کو ملامت کرتا اور اسے بُرائیوں سے روک کر نیک اعمال کے لئے ترغیب دیتا ہے۔ برائیوں سے اپنے آپ کو دُور رکھنے کے بارے میں اقبالؒ نے فرمایا۔

ے دل مردہ نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ۔ کہ یہی ہے اُمتوں کے مرض کہن کا چارہ

نفس کی تیسری قسم نفس مطمئنہ ہے یہ نفس افعال پسندیدہ و محمودہ کا موجب ہوتا ہے۔ یہ کیفیت سب سے اشرف ہے۔ اس کی وجہ سے انسان فرشتوں کا ہم پلہ ہوجاتا ہے۔ لہذا انسان کو نفس امارہ ترک کرکے نفس مطمئنہ کا شکار ہوکر اپنے سیرت و کردار کو درست کرنا چاہئیے۔

اسلامی تہذیب اور اس کے تقاضے

ملّتِ اسلامیہ کے ان افراد کو جو اسلامی روح کی حقیقت سے واقف ہیں ان کی تشویش کا سبب یہ ہے کہ بدقسمتی سے ہماری قوم کی اکثریت "دین" اور "مذہب" کے فرق کو نہیں سمجھتی حالانکہ اسلام "مذاہب" کی اہمیت کو ختم کرکے دین کے قیام کے لئے آیا ہے دین دلوں کی نرمی کے ساتھ ساتھ انسان کے کردار کو بھی اس قابل بناتا ہے کہ مظلوموں پر رحم اور آپس میں ایثار و قربانی کے ذریعہ اخلاص و محبت کا برتاؤ کیا جائے ظلم، تعصب، نفرت اور غرور کا قلع قمع کیا جائے۔ غرض اسلام ماحول کو پاک صاف کرکے دنیا کی نعمتوں کا استعمال اس طریقے سے سکھاتا ہے کہ دنیا بہشت کا نمونہ بن جائے۔ تاریخ عالم اٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں بیشمار ایسے واقعات ملیں گے جن میں بتایا گیا ہو گا کہ جب کسی قوم میں عزت و آبرو اور دین و ایمان کی تباہی عام ہوئی اور نوجوان عنصر لادینیت کا شکار ہو گیا۔ تو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا تعالیٰ نے اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ تاریخ عالم میں ایسے واقعات بھی ملیں گے کہ جب کسی قوم یا امت میں بے ہمتی، مایوسی، غداری اور بے ایمانی عام ہو گئی تو اس کو پیوندِ خاک کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ حُسنِ اخلاق، حسنِ معاشرت، تبلیغ دین، جہاد اور بنیادی حقوق کے احترام کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں۔ ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر ملک و ملّت کے لئے کام کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو قوم کو علاقائی عصبیت سے نجات دلا کر متحد اور منظم دیکھنا چاہتے ہیں جن کے دل میں انسانیت کا احترام ہے، وہ مضبوط مرکز اور اسلامی آئین کے حامی ہیں۔ حُبّ الوطنی کی فہم و فراست اور دانش

مندی کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ماضی کی روایات کے سانچے میں ڈھل جانا چاہیئے۔ انسانیت کے بنیادی تقاضے پورے کئے بغیر نہ تو مسلمانوں میں اسلامی جذبہ پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ذہنی و شعوری افلاس اور بے راہ روی سے محفوظ رکھے۔ خدا اور پیغمبر اسلام کی غیر مشروط اطاعت کی توفیق بخشے۔ علاقائی و نظریاتی فتنوں سے نجات دے اور ہم سب کو یہ ہمت دے کہ پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلام کا گلستان بنا دیں مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک بڑے تزک و احتشام شان و شوکت اور جاہ و جلال کے ساتھ برصغیر پر حکمرانی کی جب ان کی فتوحات کا سیلِ رواں برقی لہروں کی طرح دنیا پر رواں دواں تھا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کے سامنے آسکے۔ باطل اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا اس کے سامنے جو بھی آیا تنکوں کی طرح بہہ گیا۔ ان مجاہدین کی شجاعت و جرأت عزم و ہمت، فتح و ظفر کی شان کی داستانیں آج بھی تاریخوں میں ملتی ہیں اور محبِ الوطن مسلمان انہیں مشعل راہ اور نشانِ راہ سمجھتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی ہمیشہ تیغوں کے سایہ میں گزاری ہے۔ مسلمان شروع ہی سے مجاہد پیدا ہوا ہے، اور حق کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ مسلمان کی زندگی مسلسل مجاہدانہ ہے اسے دنیا کے جاہ و حشم اور رنگ و بو سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ ہمیشہ تلواروں سے کھیلتا رہا ہے جب طارق بن زیاد کو سپین فتح کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تو سمندر عبور کرنے کے بعد انہوں نے کشتیاں نذر آتش کرا دیں۔ مجاہدین اسلام نے حیران ہو کر پوچھا کہ "ہم اپنے وطن واپس کیسے جائیں گے؟"

طارق بن زیاد نے جواب دیا کہ "اب اپنی اپنی نیاموں سے تلواریں نکال لو!" جب سپاہی تلواریں نکال چکے تو طارق نے اپنی تلوار ہوا میں لہرائی اور کہا "ہر ملک ملک ما است، کہ ملکِ خدائے ما است" اس پر مجاہدین اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے

ان کی سمجھ میں آگیا کہ پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن اب دل کھول کر جنگ لڑنی ہوگی اب زندہ رہنا ہے تو یہاں ہی اگر مرنا ہے تو بھی یہاں ہی! فتح نے بالآخر ان مسلمانوں کے قدم چومے اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں سارے سپانیہ پر مجاہدینِ اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ کاش آج کے مسلمان بھی تاریخ کو دیکھیں اور اپنی زندگی اپنے بزرگوں کے سانچے میں ڈھالیں۔ معاشرتی ارتقاء نے انسان کو مادے کا غلام اور طاقت کا پجاری بنا دیا ہے آجکل مذہب کو افیون کے نشہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور اخلاقیات کو لیے کار باتوں کا مجموعہ خیال تصور کیا جاتا ہے۔ ہٹلر کی نازی تحریکیں، مسولینی کی فسطائیت اور مارکس کا اشتراکی نظریہ، سب معاشرتی ارتقا کے نتیجے میں ہیں اور گھناؤنی تہذیب نے اس قدیم اور مقدس تصور ہی کو ختم کر کے رکھ دیا ہے جس میں انسان اور خدا میں ایک رشتہ قائم کر کے اطمینان قلب تلاش کیا جاتا تھا۔ دنیا کے جو ممالک مادیت کا شکار ہیں وہاں نیکی، سچائی، عدل و انصاف کی قدریں فنا ہو چکی ہیں، اس نئے تہذیب نے اچھے بھلے انسانوں کو حیوان بنا دیا ہے ان کے ذہنوں میں ذرہ بھر شرم و حیا باقی نہیں رہا۔ کنبہ پروری چھینا جھپٹی، رشوت خوری، غارت گری اور ناانصافی کے ناسور آج بھی معاشرے میں رس رہا ہے۔ نئی تہذیب کے گوناگوں مسائل کی بنیاد قومیت، وطنیت، مادیت، لسانی جھگڑے، تعصب، نام و نمود اور رنگ و نسل پر ہے۔

آج انسانیت کا احترام دلوں سے اٹھتا جا رہا ہے کسی میں ظالموں کے ظلم کو روکنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ انسان درندہ بنتا جا رہا ہے انسانیت سسک رہی ہے شرافت کا قافلہ انتہائی خطرناک غاروں کی طرف رواں دواں ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے روحانیت کو چھوڑ کر صرف مادی چیزوں پر آنکھیں بند کر کے انحصار کرنا شروع کر دیا ہے۔ اے خدا! آج کے مسلمانوں میں بھی وہی عزم و ہمت، وہی سوز گداز وہی جوش و خروش پیدا کر دے جو ان کے آباؤ اجداد میں پایا جاتا تھا۔ ان کے

قلب اسی جذبۂ ایمان اور ایثار ملّی سے سرشار کر دے جوان کے بزرگوں میں تھا۔ ملّت کے ہر فرد میں طارق بن زیاد کی روح اور خالد بن ولید کا جگر پیدا کر دے حضرت علیؓ جیسی شجاعت پیدا کر دے ان کے سینوں میں وہی پرانے عزائم بیدار کر دے اور ان کی نگاہوں کو تلوار جیسی قوت بخش دے! سچ پوچھئے تو آج کے مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنے صالح فرائض سے غافل ہو چکے ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ جو وقت گزر گیا سو گزر گیا۔ وہ اب اپنے فرائض سے آگاہ ہوں۔ ارکان دین یعنی کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکواۃ پر عمل پیرا ہونے کی خلوصِ دل سے سعی کامیاب کریں، اے خدا! ؎

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں!

اے رب العزت مسلمانوں کو نیک اور ایک بننے کی توفیق دے۔ اتفاق و محبت دے تاکہ وہ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو کر زندگی بسر کریں ان کے دلوں میں ایسا جذبۂ ایمان پیدا کر کہ وہ ناموافق حالات میں بھی اپنے مؤقف یعنی حق پر ڈٹے رہیں اور ان کے حکام کے دلوں میں ایسا جذبہ پیدا کر کہ وہ تمام مخلوق خدا سے حالت میں انصاف کا برتاؤ کریں اختیارات دیانتداری سے استعمال کریں خدا کے خوف کے ماتحت ہر ایک کام سرانجام دیں۔ عہدہ یا منصب یا شہرت کی حرص نہ کریں ظلم، جھوٹ، غیبت سے احتراز کریں۔ نیک کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں حقوق و فرائض دیانتداری سے ادا کریں۔ نیک کاموں اور ملک کی فلاح کے لئے ایک دوسرے سے مکمل تعاون کریں۔ برائی سے ہر لحظہ گریز کریں، نیکی کا کام کرنے کا حکم دیا جائے اور برائیوں کے کاموں سے نہ صرف منع کیا جائے بلکہ ان کی بیخ کنی لازمی قرار دیا جائے۔

آفرینشِ انسان کی غرض و غایت

فلسفہ کی رو سے انسان ایک معاشی حیوان ہے چونکہ انسان کو قدرت نے عقل اور قوتِ گویائی سے نوازا ہے لہذا انسان بُرے بھلے کی تمیز کرکے عقل و دانش سے اظہارِ خیال کرتا ہے اس کے برعکس حیوان قوتِ گویائی اور عقل و دانش جیسی نعمتوں سے محروم ہیں اور اظہارِ خیال نہیں کر سکتے ویسے حیوان کو بھی گرمی، سردی کی شدّت۔ بھوک پیاس کی طلب خوف اور تکلیف کا احساس اسی طرح ہوتا ہے جس طرح انسان کو ہوتا ہے۔

انسان "اُنس" سے مشتق ہے۔ اُنس کا مطلب محبّت۔ اخلاق اور جذبۂ خدمت خلق ہے اگر کسی انسان میں محبت۔ اخلاق اور جذبۂ خدمت خلق مفقود ہو تو وہ بھی ایک قسم کا حیوان ہی ہے کیونکہ اس کے اندر انسانیت کی جگہ حیوانیت نے لے لی ہے۔ خدا تعالٰے نے انسان کو یوں ہی پیدا نہیں کیا بلکہ تمام چیزیں جو خدا تعالٰی نے تخلیق کی ہیں وہ بیکار نہیں ہیں۔ ہر چیز کی تخلیق میں کوئی نہ کوئی ہے حکمت انسانی تخلیق کی غرض و غایت خلافت الٰہیہ ہے۔ خدا تعالٰے نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے انسانی تخلیق کے متعلق اقبالؒ نے کتنا اچھا شعر کہا ہے ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ۝ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

قرآن کریم میں خدا تعالٰے کا ارشاد ہے

(ترجمہ) بے شک ہم نے اپنی امانت آسمان زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی ان سب نے یہ بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے۔ لیکن ضعیف اور کمزور انسان نے اس بارِ امانت کو اٹھا لیا!

یہ بارِ خلافتِ الٰہی ہے خدا تعالٰے نے اپنی کتاب میں مزید فرمایا ہے "میں پوشیدہ خزانہ تھا چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ اور پیدا کیا انسان کو تاکہ میرا عرفان حاصل کرے۔

خدا تعالٰی نے ساری دنیا کا انتظام انسان کو سونپا کیونکہ انسان کے علاوہ اور کوئی جاندار اس بارِ

امانت کا متحمل نہیں تھا۔

یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ ساری کائنات میں انسان ہی کو مرتبہ خلافت کا مستحق کیوں ٹھرایا گیا جواب اس کا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ انسان دو متضاد صفات ہدایت اور ضلالت کی پوری قابلیت رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ کے متضاد ناموں رحیم اور قہار کا مظہر ہو سکتا ہے مادی دنیا اور روحانی دنیا۔ دونوں اس کی جولانگاہ ہو سکتی ہیں۔ جسمانیت اور کثافتِ مادہ کی بدولت جو صفات پیدا ہو سکتی ہیں۔ فرشتے ان سے محروم ہیں انسان تمام اطوار پر محیط اور کل مراتب یعنی جمادات نباتات اور حیوانات پر حاوی ہے۔ بچہ جمادات کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جوان، نباتات کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جب روح پھونکی جاتی ہے تو وہ حیوانات کے زمرے میں آجاتا ہے اور جب عقل و ادراک کے زیور سے آراستہ ہوتا ہے تو وہ انسان بن جاتا ہے۔

انسان اپنے افعال میں مختار ہے یعنی انسان اپنے اچھے اور نیک کردار سے اپنی زندگی سنوار سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے بہشت اور دوزخ اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ ہیں انسان محض علم کے ذریعے کہاں تک نہیں پہنچ سکتا علم کے بغیر عمل وبال ہے اور عمل علم کے بغیر ضلالت ہے (حدیث) شیطانی وسوسے اور خواہشات انسان کو راہ راست سے بھٹکا کر فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا علم حاصل کرنے کے متعلق شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

؎ بنی آدم از علم یابد کمال ——— کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

انسان کو مرتے دم تک سیکھتے رہنا چاہیئے ماں کی گود سے قبر تک انسان کو حصول علم کی تگ و دو جاری رکھنی چاہیئے۔ علم حاصل کرنے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں اور پھر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ دوسروں کے کام آئے اچھے اعمال سے، بنی نوع انسان کے لئے یہ دنیا جنت اور آخرت کے لئے نجات کا باعث بن سکتی ہے بشرطیکہ اس میں اجتماعیت اور خلق پیدا کیا جائے۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

قوموں کی تعمیر و ترقی کا انحصار افراد پر ہے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ قوموں کو سیم و زر نے نہیں افراد نے اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ قوم کی ذہنی قابلیت کا دھارا افراد کے دماغ سے ہو کر ہی آتا ہے یعنی قوم کی تقدیر افراد سے بنتی ہے۔ قوم کا ہر فرد اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہر فرد کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہئیے جب کسی قوم کے محب الوطن افراد اپنی منزل کا تعین کر لیتے ہیں تو پہاڑ ان کے سامنے سرنگوں ہونے لگتے ہیں۔ دنیا کی حکمرانی انہیں اقوام کے لئے ہے۔ جن میں زندہ رہنے کی اُمنگ جوش و جذبہ اور قومی تعمیر کا شعور ہو۔ اگر معاشرے کے تمام افراد اپنی جگہ ذمہ دار اور فرض شناس بن جائیں تو پوری قوم کامیاب اور باوقار بن سکتی ہے۔

اس کے برعکس اگر ہر شخص اپنے آپ کو ذمہ دار نہ سمجھے تو آپ سوچیں کہ قوم کیسے باوقار بن سکتی ہے؟ یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہر فرد قوم کی تقدیر بنانے والا ہے۔ اور قوم کو تباہ کرنے والا بھی فرد ہی ہے جس ملک کے افراد عیاش اور تن آسان ہوں گے اس کی پوری قوم دوسرے ممالک کی نظروں میں کمزور اور بے اثر متصور ہو گی کیونکہ ذہن میں قوم کا تصور آتے ہی غیر شعوری طور پر اس کے افراد کا تصور آتا ہے۔ جس قسم کا تصور افراد کے بارے میں ہو گا۔ وہی تصور قوم پر بھی چسپاں ہو گا۔

آج کی دُنیا زور آور کی دُنیا ہے۔ انسانی تاریخ اس بات کی تشکیل بھی اسی اصول کے تابع نظر آتی ہے انسانی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ عزت و وقار، جاہ و جلال، فتح و نصرت اور شہرت ابدی نے ہمیشہ ان اقوام کے قدم چومے جو طاقت ور تھیں اور ان میں ترقی کا جذبہ تھا۔ افرادی قوت کے جذبے کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مثلاً غزوۂ بدر

میں کفارِ مکہ کی تعداد ایک ہزار نفوس سے زائد تھی۔ لیکن مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی۔ قلیل مقدار کے باوجود مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ یہ صرف جذبہ ہی تھا جس سے سرشار ہوکر مسلمانوں نے اپنے سے چار گنا کفارِ مکہ کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اگر کسی قوم میں یہ جذبہ ہو تو وہ بہت بڑی قوت کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ویت نام کے عوام نے اپنے سے بیس گنا بڑی طاقت کو شکست فاش دی اسی طرح اور بہت سے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔ کہ تھوڑے لوگوں نے بہت بڑی تعداد کے لشکروں کے منہ توڑ دیئے آج پاکستان جن حالات سے گزر رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم قوم کو ایک بہترین قوم بنائیں اور اس کو اپنی تابندہ روایات کا شعور دلائیں۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت رہی ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس نے ہماری منزل کو دھندلا رکھا تھا۔ اس مسئلے کی وجہ سے کبھی یہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی تھی کہ غریب والدین اپنے بچوں کو اسکول بھیجنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے مگر خدا کے فضل سے تعلیمی اصلاحات کے نفاذ سے اُمید ہوگئی ہے کہ یہ مسئلہ جلد حل ہو جائے گا۔ دوسری رکاوٹ یہ رہی اور اب بھی ہے کہ ہماری قوم کے افراد کی صحت زوال پذیر ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے ہاں شرح اموات دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ ہماری قوم کے افراد سخت محنت کے عادی تو ہیں لیکن چونکہ وہ اُجرت کم پاتے ہیں اور انہیں اچھی خوراک نہیں ملتی جس سے وہ کمزور ہو کر جلدی بوڑھے ہو جاتے ہیں اس کے مقابلے میں یورپ کے لوگ صحت مند ہیں اور ان کی قوتِ کارکردگی بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں پر قومی صحت پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے وہاں پر جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو بڑے صحت مند ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پندرہ سال کی عمر میں معاشرے میں فعال کردار ادا کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں اس معاملے میں غفلت برتی جاتی ہے اور خواتین کی صحت پر بھی کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ چونکہ صحت مند مائیں ہی صحت

مند بچے کو پیدا کر سکتی ہیں۔ لہٰذا خواتین کی صحت کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہئیے۔ نیز ہمارا فرض ہے کہ ہم قومی صحت پر زیادہ توجہ دیں۔

علاوہ ازیں پڑھے لکھے افراد کو چاہئیے کہ ملک اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے نہایت ہی سرگرمی سے یہ کام سرانجام دیں اور بے مقصد آوارہ گردی کی بجائے تعلیم سے محروم لوگوں کو تعلیم دینے کی ایک تحریک شروع کریں۔ اس طرح نہ صرف انفرادی طور پر افراد کی تعمیر ہو گی بلکہ ہم بالواسطہ طور پر باشعور معاشرے کی تشکیل بھی کر سکیں گے ہم پریشان لوگوں کو پریشانیوں سے نجات دلانے کے لئے اعلیٰ اور مفید کردار کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کے لوگ خصوصاً طلباء برادری صلے کی پرواہ اور ستائش کی تمنا کئے بغیر خدمت خلق کا فریضہ سرانجام دیں تو ہم عوام میں ایک باوقار طبقہ متصور ہوں گے۔ اور جو لوگ طلباء کو نکمّے، بے فکرے اور اپنی منزل سے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کے سوا کچھ نہیں سمجھتے ان کی رائے طلباء کے بارے میں یکسر بدل سکتی ہے۔ اس طرح ہم قومی لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ قومیں ہمیشہ افراد کے یقین محکم، عمل پیہم اور انتھک کوششوں سے بنتی ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے بھی اس امر کی تصدیق کی ہے۔

ے افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدر کا ستارہ

ملک کی تعمیر نو کے لئے قوم کے تمام افراد کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنی چاہئیے۔ حکومت کو بھی اپنے دسائل سے عوام کو سہولتیں فراہم کرنے میں فرض شناسی سے کام لینا چاہئیے۔ تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں شاندار ترقی ہو سکے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ افراد خود بھی سخت محنت کرنے کی سعی کریں اس طرح نہ صرف بیرونی ممالک میں پاکستان کا وقار بلند ہو گا۔ بلکہ ہماری آنے والی نسلیں اپنی قسمتیں خود بنانے کی اہل ہوں گی اس طرح سے بانیٔ پاکستان جناب قائداعظم محمد علیؒ جناح کے نظریات کے مطابق پاکستان کی تعمیر نو

ہوسکے گی۔ ہمارے دشمنوں کی خواہشوں اور ہتھکنڈوں کا بہترین جواب یہ ہے۔ کہ ہم اپنے پاکستان کی تعمیر نو کے لئے عزم صمیم کرلیں۔ ایک ایسی اچھی اور عظیم مملکت جو ہماری آنے والی نسلوں کے رہنے کے لئے ہو۔ اس شاندار نصب العین کا تقاضا ہے۔ کام! کام! کام!

قوم کے تمام افراد خصوصاً طلباء کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور جذبۂ حب الوطنی کا ثبوت دیتے ہوئے ملکی تعمیر نو میں بھرپور حصہ لیں اور فیشن پرستی اور بے راہ روی کی طرف مائل ہونے کی بجائے اپنی زندگیاں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق بسر کریں کسی بھی معاشرے کے باوقار طور پر زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس معاشرے کے تمام افراد خدمت خلق کے جذبے سے مالامال ہوں کیونکہ اس کے بغیر ترقی کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ ہر فرد کا وقار اور عزت ملت کے ساتھ وابستہ ہے۔ فرد۔ معاشرے کے بغیر ماہی بے آب کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے۔

؎ فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

جب تک قوم کے افراد دوسروں کے درد و کرب کو اپنے درد و کرب کے طور پر محسوس نہیں کرتے قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ہر فرد اگرچہ اپنے اپنے مقام پر خدمت خلق کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ مگر یہ کافی نہیں۔ اس کام کو وسیع طور پر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے ایک سرگرم تحریک کی شکل دی جائے جس طرح کوئی بھی تحریک انتھک۔ محنت اور نوجوانوں کے جذبے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اسی طرح خدمت خلق کی تحریک کو زندگی بخشنے کے لئے جذبات کی تازگی اور ولولوں کی شگفتگی لازمی ہے۔ ہمیں ایک خوشحال اور مضبوط پاکستان کی تعمیر کرنا ہے اگر ہم دیانتداری اور فرض شناسی سے انتھک محنت کریں تو قوم فلاحی مملکت کا مقصد حاصل کر سکتی ہے۔ یہ بھی ضروری کہ وسائل کو عوام کی بہتری کے لئے بروئے کار لایا جائے۔ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے۔

؎ اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے ٥ مشرق و مغرب میں تیرے ذوق کا آغاز ہے

عذابِ الٰہی

آج کل ہم اپنی شامت اعمال سے دوچار اور گرانی، قحط سالی، فتنہ و فسادات کا شکار ہیں۔ سیلاب سے بچے تو وبائی امراض میں مبتلا ہو گئے۔ سیلاب ایک عذاب الٰہی ہے۔ تاریخ کے بدترین سیلاب نے ملک کے طُول و عرض میں ہولناک تباہی و بربادی مچائی۔ دراصل ہماری شامت اعمال ہمیں طرح طرح کے ابتلا و امتحان سے گذار رہی ہے دنیا میں عذاب اس لئے نازل ہوتے ہیں تاکہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے دور جا چکے ہوں۔ جو شیطانی و نفسانی خواہشات کے شکار ہو چکے ہوں جو نفس اماّرہ کے غلام بن چکے ہوں جو عیاشی اور بدمعاشی اور فحاشی میں مگن ہوں۔ جن کے احساسات وجذبات مردہ ہو چکے ہوں۔ جو دَرِ باری تعالےٰ سے بھاگے ہوئے ہوں اور جو اچھے بُرے کی تمیز کھو چکے ہوں وہ خدا تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ آیئں خدا کے سامنے سربسجود ہوں اس کے سامنے گڑگڑا کر دعایئں مانگیں اس کے سامنے آنسوؤں کے تحفے پیش کریں اس کے سامنے عاجزی و انکساری پیش کریں۔ تاکہ رحمت الٰہی جوش میں آئے ان کے دلوں کی تاریکیاں دور ہو جایئں۔ اُن کے اور خدا تعالےٰ کے درمیان جو پردے حائل ہو چکے ہیں وہ ہٹ جایئں تقدیر مکافات عمل کا نتیجہ ہے بقول اقبالؒ

؎ تقدیر ایک نام ہے مکافات عمل کا ::: دیتے ہیں یہ پیغام خدایان ہمالہ

ہم مسلمانوں کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ ہم پر یکے بعد دیگرے عذاب کیوں مسلّط ہو رہے ہیں۔ سیلاب عذاب کی ایک صورت ہے یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہہ ہے کہ مسلمان اس سے سبق حاصل کر کے اپنے اعمال کو درست کریں صوم و صلواۃ کے پابند ہوں۔ رشوت۔ جھوٹ۔ غیبت۔ چغل خوری۔ حسد اقربا پروری اور تعصّب سے احتراز کریں۔

خدا تعالےٰ جب کسی قوم کو تباہ کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ اس قوم کے افراد کو غافل بنا دیتا ہے

جب وہ نافرمانی کرتے ہیں اور ان پر حق بات ثابت ہو جاتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ طوفان۔ جنگ یا سیلاب کے ذریعے تباہ کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نیک لوگوں کے لئے رحیم اور بدکرداروں کے لئے قہار ہے اور توبہ کرنے والوں کے لئے غفار بھی ہے خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کو کئی بار مواقع دیتا ہے اگر وہ پھر بھی اپنا طرز عمل تبدیل نہ کریں تو ان کے لئے تباہی لازمی ہے۔ پہلی قوموں پر کئی بار ان کی بداعمالیوں کی بنا پر عذاب نازل ہوئے۔

سورۂ ہود میں طوفانِ نوحؑ کی پوری تفصیل ملتی ہے۔ ارشاد ہے۔" تحقیق خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ نے ان کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ وہ سیدھے راستے پر آجائیں۔ جب حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو خدا کا پیغام سنایا اور قوم صاف منکر ہوگئی۔ اس پر خدا تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ اسلام سے کہا کہ تیری قوم کے لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا اے نوحؑ تو میری آنکھوں کے سامنے ایک کشتی بنا۔ اور ظالم لوگوں سے قطع تعلق کرلے تحقیق وہ غرق ہو جائیں گے"۔

حضرت نوحؑ نے جب کشتی بنانی شروع کی تو آپ کی قوم کے افراد آپ کے قریب سے گزرتے ہوئے آپؑ کا مذاق اڑاتے۔ حضرت نوحؑ نے ان سے کہا" کیا تم میرا مذاق اڑاتے ہو؟ تحقیق تم جان لوگے کہ عذاب الٰہی تم پر نازل ہوگا۔ یا مجھ پر۔ خدا تعالیٰ تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے تمہیں رسوا کرے گا۔ اور عذاب الٰہی تم پر ہمیشہ کے لئے رہے گا" یہاں تک کہ جب خدا کا حکم ہوا تو گرم تنور سے پانی نے جوش مارا پھر خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ سے کہا اپنے ایمان دار اہل، رفقاء اور ہر قسم کا جوڑا اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں انہیں اپنی کشتی میں سوار کرلو۔

حضرت نوحؑ نے فرمایا" اے لوگو! خدا کا نام لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ جب سب بیٹھ گئے تو کشتی نوحؑ پانی کی لہروں میں پہاڑوں کی مانند بہنے لگی۔ حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی ایک کنارے پر کھڑا تھا۔ آپؑ نے اُسے پکارا" اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں آجاؤ کافروں کا ساتھ نہ دو" بیٹے نے جواب دیا" میں پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ اور پہاڑ مجھے بچا لے گا" حضرت نوحؑ نے فرمایا۔ خدا کا حکم ہے کہ آج کے دن کوئی بھی کسی کو بچا نہیں سکے گا۔ مگر خدا تعالےٰ جس پر رحم کرے"۔

اس دوران ایک بڑی موج باپ بیٹے کے درمیان حائل ہوگئی اور پیغمبر کا بیٹا کفر کے سبب کفار کے ساتھ غرق ہوگیا۔

اس حقیقت سے تو ہر شخص آگاہ ہے کہ بُرے کردار کو دیکھ کر انسان بُرائی سیکھتا ہے۔ بُرا کردار معاشرے کے لئے زہر قاتل کے مترادف ہے جو آہستہ آہستہ انسان کی رگ رگ میں سما جاتا ہے اور بالآخر اس معاشرے کی اخلاقی موت کا باعث بن جاتا ہے۔ جس کے بُرے نتائج سے پیغمبر زادے بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ بقول شاعر:۔

؎ صحبتِ بد میں نوحؑ کا بیٹا ـــــ شانِ پیغمبری کو کھو بیٹھا

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حکم دیا" اے زمین تو اپنا پانی نگل جا۔ اے آسمان اب بس کر، بارش کو تھام لے" اور اس طرح خدا کے حکم سے سیلاب کا پانی خشک ہوگیا۔ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ مکمل ہو چکا تھا۔ اور کشتیٔ نوحؑ جودی کی پہاڑی پر چڑھ گئی۔

سُورۂ ھُودؑ میں آیا ہے کہ آلِ موسیٰؑ پر ان کی بداعمالیوں کی بناء پر عذاب نازل ہوئے جس کا مختصر حوالہ یہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو ان کی قوم کی طرف ہدایت کے لئے بھیجا حضرت موسیٰؑ نے جب اپنی قوم کو خدا کا پیغام سنایا تو قوم منکر ہوگئی۔ موسیٰؑ نے خدا سے دُعائیں کیں۔ لیکن تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ فرعون اس وقت کا ظالم بادشاہ تھا وہ حضرت موسیٰؑ اور ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا۔ اپنے جادوگروں سے کہتا کہ موسیٰؑ سے مقابلہ کرو۔ ایک دفعہ ان کی عید تھی۔ حضرت موسیٰ اور آپ کے چند ساتھی راتوں رات دریائے نیل کو عبور کر کے پار چلے گئے کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے خدا کا نام لے کر دریا میں اپنا عصا پھینکا اور راستہ بن گیا۔ جب وہ پار چلے گئے تو فرعون اور اس کے ساتھی بھی دریا کو عبور کرنے لگے لیکن سامری کے سوا خدا نے سب کو غرق کر دیا۔ پھر سامری نے جادوگری کا سلسلہ جاری رکھا اس نے بیل بنایا اور ان سب کو پُوجا کرنے کے لئے کہا اور ان پر ایک اور عذاب الٰہی نازل ہوا جس میں ان کے اردگرد کپڑوں میں، برتنوں میں، کھانے میں خون

پسو ۔ جوئیں ۔مینڈک ۔ اور کیڑوں کی بہتات ہوگئی ۔ اس قہر الہٰی نے ان کی زندگی اجیرن بنا
دی تھی ۔ حضرت ہارون علیہ اسلام نے انہیں برُے کاموں سے منع کیا ۔لیکن وہ باز نہ آئے
اور کہا جب موسیٰؑ آئیں گے تو ہم ان کا کہا مانیں گے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جب آئے تو اپنی قوم سے
کہا کہ تمہیں کس نے کہا تھا کہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بیل کی پوُجا کرو ۔ انہوں نے سامری کی طرف
اشارہ کیا ۔ حضرت موسیٰؑ نے حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بُت اور بیل اپنے ہاتھوں سے توڑ
دو ۔ تب آپؑ کی قوم نے توبہ کی اور خدا تعالےٰ نے اُن کی توبہ قبول کر لی ۔

سوُرۂ یونسؑ میں ارشاد ہے کہ حضرت یونس علیہ اسلام کی قوم بھی مشرک ۔ بت پرست
بدکار بن گئی ۔ حضرت یونسؑ کو ان کی قوم کی طرف ہدایت کے لئے بھیجا گیا ۔ چنانچہ حضرت یونسؑ نے
اپنی قوم کو توحید اور نیکی کی طرف بلایا مگر قوم نے ان کا تمسخر اڑایا اور اچھا سلوک نہ کیا
حضرت یونسؑ نے انہیں خبردار کیا کہ تم پر عذاب آنے والا ہے ۔ جب عذاب کے آثار ظاہر ہوئے تو
وہ لوگ اپنے برُے اعمال سے تائب ہو گئے ۔ ان کی توبہ قبول ہوگئی ۔ معلوم ہوا کہ رحمت الہٰی
منتظر رہتی ہے کہ بندے اپنے رب کی طرف واپس آئیں اس کی بارگاہ میں توبہ کریں ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ
ان سے عذاب ٹال دیں اور مہربانیوں سے نوازیں ۔

ثابت ہوا کہ جو بلائیں اور عذاب نازل ہوتے ہیں وہ انسان کے اپنے بداعمال کے نتیجہ میں نازل
ہوتے ہیں اس تباہی اور آفت ناگہانی کے پیش نظر تمام قوم کو خدا کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ خدا
اور اس کے رسولؐ کے احکامات سے انحراف ہی سے ایسی تباہیاں آتی ہیں پنجاب اور سندھ پر جو
عذاب الہٰی نازل ہوا ہے اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہم راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں ہم اسلامی اصول
سے رُوگردانی کر رہے ہیں ۔ ہماری بداعمالیاں اور کوتاہیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ خداوند کریم اس سے
بھی کہیں زیادہ عذاب میں گرفتار کرکے سابقہ اُمتوں کی طرح ہمارا نام بھی صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر
قادر ہے ۔ اگر قوم اپنے اعمال کا محاسبہ کرکے خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر اپنے
گناہوں اور لغزشوں کی معافی مانگے اور صوم صلوٰۃ کی پابندی کا عہد کرے تو پاکستان یکے بعد دیگرے

آنے والے عذابوں سے نجات حاصل کر سکتا ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ناگہانی آفتیں دور ہوں تو ہمیں قرآنی ہدایات اور اسلامی اصولوں پر عمل کرنا چاہیئے۔

۱۹۷۱ء کی ہند و پاک جنگ کے دوران ہمارے ملک کا آدھا حصّہ ہم سے چھن گیا۔ ہمارے ترانوے ہزار فوجی بھارت کے قیدی بنالئے گئے۔ ہمارا وقار مٹی میں مل گیا۔ ہمیں بہت بڑی سزا ملی۔ لیکن افسوس ہماری قوم نے پھر بھی خدا کی طرف رجوع نہ کیا توبہ نہیں کی جو قوم موقع ملنے پر بھی راہ ہدایت پر گامزن نہ ہو اس پر خدا تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق عذاب نازل کرتا ہے۔ عذاب جنگ کی صورت میں ہو یا گرانی و قحط اور سیلاب کی صورت میں عذاب، عذاب ہی ہوتا ہے۔

ہماری قوم میں بُرائیاں کیوں پیدا ہو گئی ہیں؟ ہماری نعمتوں میں برکت کیوں نہیں رہی؟ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم نے اپنی عقل کو پس پشت ڈال رکھا ہے ہم نے خدا تعالیٰ کو معبود ٹھہرانے کی بجائے اپنی خواہشات کو معبود ٹھہرالیا ہے۔ ہمیں قرآنی ہدایات پر عمل کرنا چاہیئے ورنہ روگردانی کی صورت میں عذاب بھی نازل ہوتے رہیں گے۔ مہنگائی میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا اور غربت و خستہ حالی بھی دور نہ ہو سکے گی۔

عذاب سے بچانے والی تین چیزیں ہیں۔ ایک خدا کی مضبوط رسّی کو تھامنا۔ دوسرے حضور صلعم کی پیروی کرنا۔ تیسرے توبہ استغفار کرنا۔ لہٰذا قہر الٰہی سے بچنے کے لئے ہمیں قرآنی اصولوں پر عمل کرنا چاہئیے درود شریف کثرت سے اور سچے دل سے پڑھنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ اپنی بارگاہ سے کرم کرے گا کیونکہ وہ بخشنے والا ہے۔ حضورؐ کے اُمتی ہونے کا دعویٰ محض زبان سے کر لینا تو کوئی کمال نہیں جب تک ہم اپنے نبی اکرم کے اُسوہ حسنہ پر نہ چلیں گے حضورؐ کی شفاعت کیسے ہو ہمیں اللہ تعالیٰ سے خلوص دل سے توبہ کرنی چاہیئے اور حضور پاک کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہیئے اور دُعا مانگنی چاہیئے۔

ے
اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

زندگی کی حقیقت

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی ایک عارضی چیز ہے۔ اس کے لئے دوام نہیں۔ کائنات کی ہر چیز فانی ہے اور عارضی ہے۔ بقا صرف خدا تعالےٰ ہی کی ذات کو ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

ترجمہ:۔ ہر چیز فنا اور ختم ہو جائے گی۔ صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر چیز سفر میں ہے اور اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انسان بھی ایک طویل سفر میں ہے۔ زمین و آسمان کے درمیان زندگی گزار رہا ہے۔ مستقل زندگی موت کے بعد عالم ارواح میں ہے جو اس دنیا کی نتیجہ خیز حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا ایک نام عالم آخرت بھی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

" دنیا میں اس طرح رہ جس طرح کے ایک مسافر ہوتا ہے۔ جس کا مستقل کوئی ٹھکانا نہیں"

حضرت آدمؑ نے ساری عمر کوئی مکان نہیں بنایا۔ ایک دفعہ آپؑ کے بیٹے نے کہا۔ ابا جان آپ کوئی مکان کیوں نہیں بناتے ؟ یہ کیا کبھی ایک جگہ مقام تو کبھی دوسری جگہ ؟

آپؑ نے فرمایا "بیٹا" ! ایک دن اس دُنیا سے کوچ کرنا ہے۔ اس کے لئے کیا مکان بنائیں ! گزر گئی گزران۔ کیا جھونپڑی کیا مکان ؟

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس کے لئے دوام نہیں وہ بھی کمال کے سفر پر ہے تو کبھی زوال کے سفر میں ہے۔ اس کی منزل دوسرا جہاں ہے از آفرینش تا مرگ انسان کو کئی ادوار سے گزرنا پڑتا ہے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ معصوم ہوتا ہے بعد ازاں پانچ چھ سال کا ہوتا ہے تو وہ اسکول پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ بادل نخواستہ اسکول جاتا ہے دس جماعتیں پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہو جاتا ہے اور اس دوران وہ آہستہ آہستہ عالم شباب تک پہنچتا ہے۔ یہ مرحلہ اس آزمائش کا ہے اگر وہ صحیح راستہ سے بھٹک کر دنیاوی لذات میں پھنس جائے

یعنی نفس امارہ کا شکار ہوجائے تو سمجھ لو کہ وہ شیطان مردود کی طرح راندہ گیا اور وہ پھر ہمیشہ شیطانی چکروں ہی میں سرگرداں رہتا ہے اور تمام تر بدبختیاں اس کا مقدر کردی جاتی ہیں۔ دولت کوٹھیوں اور دیگر عیش و عشرت سے تعلق رکھنے والی اشیاء کو ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا ہے ان لذّات کے حصول کے لئے قسم قسم کے بہروپ بدلتا ہے۔ بچوں کو اغواء کرکے ان کی خرید و فروخت سے نفع کماتا ہے۔ سمگلنگ کرتا ہے۔ جھوٹے جاہ و جلال سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اقربا پروری کرتا ہے رشوت لیتا ہے بڑے بڑے سیکنڈل کرتا ہے لیکن اس کا انجام خراب ہوتا ہے آخر اسے وہ سزا مل جاتی ہے۔ جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس الزام میں اسے سزا ملتی ہے اس میں بے قصور ہی ہو لیکن دراصل وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں سزا پاتا ہے

القصہ انسان جب نفس کا غلام اور خواہش بندہ بن جاتا ہے تو وہ ایسے ایسے مکروہ افعال کر گزرتا ہے جن سے ابلیس بھی پناہ مانگتا ہے۔ نفس کے بندے سے جانور اور ڈھور ڈنگر کئی درجے بہتر ہوتے ہیں کیونکہ جانور خدا تعالیٰ کی مقررہ حدود سے آگے نہیں بڑھتا خوراک اسی قدر کھاتا ہے جس قدر قدرت نے اس کے لئے مقرر کی ہے لیکن انسان اپنے نفس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ آج سارے عالم کے مسلمان کڑی آزمائش میں مبتلا ہیں اور ان کے دلوں میں پیار اور اتحاد کی بجائے نفرت و نفاق رچ بس گیا ہے جو آہستہ آہستہ بڑھتا جارہا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے صرف ایک ہی امتِ مسلمہ بنائی تھی۔ لیکن آج یہ امت۔ ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر ایمان رکھنے کے باوجود مختلف فرقوں میں منقسم ہے ؎

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ○ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

کبھی کبھی انسان۔ شیطان کی باتوں میں آکر جاہل نا اہل ظالم اور مکار بن جاتا ہے اور پھر نفس بھی انتہائی پستی میں جاگرتا ہے۔ ایک خواہش پوری ہونے کے بعد دوسری کئی خواہشیں اس کے دل میں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ایسا شخص اپنے نفس کا بندۂ بے دام بن کر رہ جاتا ہے اس کی صالح سوچ اور فکر پر سیاہ پردے پڑ جاتے ہیں اور ایسا انسان نیکی اور رحم کے جذبے سے محروم ہوجاتا ہے

نفس امارہ خود جاہل ہے اس کے پاس خواہشات کے سوا دھرا ہی کیا ہے ؟ یہ نفس ہر وقت انسان کو گمراہی پر اکساتا ہے۔ معاش حلال کمانے سے روکتا ہے حرام کھانے اور بدی کرنے کی راہیں دکھاتا ہے اگر انسان ذرا سی کوتاہی کرتا ہے تو نفس امارہ اس پر جال پھینک کر اپنی گرفت میں دبوچ لیتا ہے دوسروں کا حق مارنے۔ مطلب نکالنے کی ہر وقت تلقین کرتا ہے اور اس نفس کی گرفت میں آیا ہوا انسان دنیاوی لذات میں پڑ کر اپنی آخرت بھی خراب کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کی رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ پھر اس کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے مگر جو انسان خدا کی طرف سے متعین کردہ راستوں سے تجاوز نہیں کرتے اور پروردگار کی طرف سے ودیعت کردہ قوتوں کو صحیح استعمال کر کے پختہ عزم اور ارادے کے مالک بنتے ہیں۔ وہ اپنی قوم اور ملک وملت کی خاطر کٹ مرنے کی یقیناً تڑپ رکھتے ہیں وہ لوگ قربان ہو جانے کو اپنا پہلا اور آخری فرض سمجھتے ہیں اور یہ جذبہ اسی دل میں موجزن ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں اطاعت خداوندی انکساری اور خلوص ہو ایسا انسان اونچے اونچے عہدوں جاہ وجلال دولت اور نمائش وقار سب کو ہیچ اور بے حقیقت سمجھتا ہے۔ دراصل ایسا شخص نفسِ مطمئنہ کا مالک بن جاتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ دنیا کی یہ تمام چیزیں فانی ہیں اور انسان کو آزمائش کے لئے ان چیزوں سے روشناس کرایا گیا ہے۔ تاکہ اپنے پیدا کرنے والے کا شکریہ ادا کرے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان فرشتوں کا ہم پلہ ہو جاتا ہے۔

درحقیقت یہی وہ چیز ہے جس پر نفسِ انسانی کا کمال ہے اور صحیح معنوں میں انسان خلیفہ الٰہی ہے۔ وہ دنیاوی لذآت سے متنفر ہے کیونکہ صالح اعمال رکھنے والا انسان آخرت کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ اسے پتہ ہے کہ وہ جوابدہ ہے اس کو پالنے والے کے سامنے ذرے ذرے کا حساب دینا ہے وہ اتنی ہی غذا کھاتا ہے۔ جتنی درکار ہو۔ لباس ایسا پہنتا ہے۔ جو صرف گرمی اور سردی سے بچائے اور ستر پوشی کا کام دے۔

پرہیزگار اور نیکی کرنے والے لوگوں کا جہاں یہ خیال ہے کہ دنیا فانی ہے اور یہاں کی ہر چیز کو ایک دن فنا ہونا ہے۔ وہاں ان کا عقیدہ بالیقین ہے کہ موت کے بعد زندگی ایک نیا رخ اختیار

کرتی ہے۔

بعض ناقص عقل والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ آخرت کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ان کا مطالعہ نامکمل ہے پھر وہ لوگ اندھیرے میں ہیں کیونکہ یہی حقیقت نفس امارہ کو برے افعال پر انسان کو اکسانے سے بدرجہ اُتم روک سکتی ہے اگر ان لوگوں کا ایمان آخرت کی زندگی کے بارے میں پختہ ہو تو وہ گناہوں کا کبھی ارتکاب نہ کریں۔

ہمیں جان لینا چاہئیے کہ ہماری زندگی کا سفر دراصل موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ آخرت کا سفر بہت طویل ہے اور دنیا میں تو یہ نہایت ہی قلیل ہے اسے یوں سمجھنا چاہئیے جیسے مسافر گاڑی میں سوار ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہوں کوئی مسافر نزدیک کے اسٹیشن پر اُتر جاتا ہے اور کوئی ذرا آگے چل کر اتر جاتا ہے اور بعض مسافر تو آخری اسٹیشن پر جا اترتے ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کے دوسرے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

انسانی زندگی کے سفر کا بھی یہی حال ہے کسی کے دن پہلے ہی پورے ہو جاتے ہیں تو وہ اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر اسی سفر کا آغاز کرتا ہے حکیم الامت علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں زندگی کے اس فلسفہ پر روشنی ڈالی ہے۔

ے صبح چلنا شام چلنا — چلنا چلنا مدام چلنا

بہرکیف دنیا فانی ہے یہاں کی ہر چیز فنا ہو جائے گی موت کا ذائقہ ہر شخص کو چکھنا ہے موت کے بعد اس کی اگلی زندگی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ جہاں انسان کو جن مرحلوں سے گزرنے کے لئے اعمال کے محاسبہ کی تاکید کی گئی تھی ان پر وہ کہاں تک عمل پیرا رہا؟ انسان کو اپنا تمام حساب دینا ہوگا اسی کے مطابق اسے سزا و جزا ملے گی۔ جو دنیا میں اگر اس نے اچھے اعمال کئے ہیں تو اس کا نتیجہ وہاں بہشت کی صورت میں ملے گا۔ اگر انسان نے دنیا میں بُرے افعال کئے ہیں تو اس کا نتیجہ جہنم کی صورت ہی ہو سکتا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ تمام مسلمانوں کو بچائے آیئے ہم سب اپنے دنیاوی اعمال کا محاسبہ کریں۔!

خداوند کریم ہمیں نیکی کی توفیق دے اور بد اعمال سے بچائے۔ آمین۔ *

حسد اور اس کا علاج

دوسرے لوگوں کی نعمتوں کے زوال کی خواہش رکھنے کا نام حسد ہے خواہ ان نعمتوں کے حصول کی تمنا اپنے دل میں ہو یا نہ ہو بدترین مرض ہے کیونکہ حاسد دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر جلتا اور رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔ خدا کی نعمتیں مخلوق خدا سے جدا نہیں ہوسکتیں پس حاسد کا رنج و غم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس طرح آگ ایندھن کو جلا دیتی ہے اسی طرح حسد تمام نیکیوں کو کھا جاتا ہے۔ جو نعمت کسی دوسرے کو حاصل ہو ویسی ہی نعمت خود حاصل کرنے کی خواہش کرنا دوسرے کے زوال نعمت کی یہ خواہش نہیں کیونکہ حسد یہ ہے کہ کسی کے جاہ و حشم۔ منصب دولت اور شہرت کو دیکھ کر یہ خواہش کرنا کہ یہ چیز دوسرے کے پاس نہ رہے اور جائز اور ناجائز طریقے سے اس سے چھین لی جائے۔ قرآن مجید میں جن چیزوں سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی ان میں حسد بھی شامل ہے۔ ترجمہ "اے اللہ! ہمیں حسد کرنے والے کی برائی سے بچا" حسد انسان کو گھن کی طرح کھاتا ہے وہ دشمنی جو دو فریقین کے دل میں پوشیدہ ہو عداوت کہلاتی ہے یہ حسد کا پہلا محرک ہے انسان جب دوسروں کو بلند مرتبہ دیکھتا ہے تو جلتا ہے اس سے وہ مرتبہ و رتبہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ مشترک مقصد کی وجہ سے بھی حسد پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے۔ یوسف علیہ اسلام کے بھائیوں کے جلنے کی وجہ بھی یہی تھی یہ بداخلاقی دوستی اور بھائی چارے کے منافی ہے آپس میں کسی قسم کا کینہ رکھنا جیسا کہ آج کے دور کے سیاسی لیڈر کینہ اور بغض سے کام لے کر ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے ملک کا ایک حصہ ہاتھوں سے جاتا رہا۔ ہمیں اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ جاہ پرستی بھی حسد کا ایک محرک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایک عہدے دار کسی دوسرے شخص کو مرتبے میں شریک دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اور حسد کرتا ہے اگر یہ مرتبہ کسی کو حاصل ہوتا ہے تو حاسد اس سے چھیننے کی کوشش

رتاہے یہود اور نصاریٰ اسی وجہ سے مسلمانوں کے حاسد تھے اور اب بھی تعصب کرتے ہیں بلکہ لسانی اور صوبائی عصبیت کی وجہ بھی یہی تھی۔ عصبیت کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کو جاہ پرستی سے احتراز کرنا چاہیئے۔ عزت اور ذلت دینے والا تو صرف خالق برحق ہے خدا تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں کو کینہ کی آماجگاہ بننے سے بچائے۔ !

قطع تعلقی بھی حسد کا ساتھ دیتی ہے اور حسد کا محرک بھی ثابت ہوتی ہے۔ بعض لوگ ذرا ذرا سی بات پر مدتوں کے تعلقات قطع کر لیتے ہیں اگر کسی مسلمان بھائی پر مصیبت آپڑے تو دوسروں کا فرض ہے کہ اس کی مدد کریں۔ مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑنا حقیقی دوستی اور بھائی چارے کے خلاف ہے۔ اچھے وقت میں تو اپنے بیگانے بھی لوگ دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ حالانکہ دوستی کا تقاضا ہے کہ دوست دکھ اور تکلیف میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔ آج اگر مسلمان لسانی اور صوبائی تعصبات کو ترک کر دیں اور ان باتوں پر عمل پیرا ہو کر ملک اور قوم کی خدمت کریں تو ایک خوش حال معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے۔ حسد کا علاج بھی غضب

حسد کا علاج بھی غضب اور حزن کی مانند ہے انسان کو طمع اور حرص میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ حسد کو ذہن کے قریب بھی بھٹکنے نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے کی وجہ سے طمع اور حرص میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے جو چیز اپنے پاس موجود ہو نفس کو اسی پر خوشی سے مطمئن رکھو۔ اور جو چیز میسر نہ ہو اس کے لئے اداس نہ ہو تاکہ غم سے نجات حاصل رہے اور دائمی سرور حاصل ہو۔ دنیا کی چھوٹی اشیاء جو دوسروں کو حاصل ہیں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ بلکہ دل و دماغ بھی حرص و حسد لالچ، اور ہر قسم کی ہوس سے پاک رکھنا چاہیئے۔

؎ زبان سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ٭ دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

ملکی وقار اور جذبۂ حب الوطنی

کسی ملک یا کسی قوم کی ترقی صحیح معنوں میں جذبۂ حب الوطنی کی وساطت ہی سے ہو سکتی ہے۔ اس جذبۂ کے بغیر ملک کبھی ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا اور ہمارے ہاں اسی جذبہ کا فقدان ہے جس کے تحت رشوت، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ اور کئی ایسے ہی جرائم کو ہوا ملتی ہے۔ وطن کی محبّت ایمان کا ایک اہم حصّہ ہے۔

حُب الوطنی سے مراد وطن سے محبّت کرنا ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ وطن سے محبّت کرتا ہے خواہ اس کا ملک کتنا پسماندہ اور غریب ہی کیوں نہ ہو۔ پاکستان ہمارا وطن ہے اس سے محبت کرنا ہمارا فرض ہے اور اس کی حفاظت کے لئے ہمیں ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہئیے اقتدار حکومت آنی جانی چیز ہے۔ مسلمانوں کا نصب العین حکومت نہیں دین اسلام ہے دین کی حفاظت کے لئے ہمیں سر دھڑ کی بازی لگانی چاہئیے اور نسل و رنگ، فرقہ بندی کا کوئی امتیاز نہیں رکھنا چاہئیے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی لئے فلسفہ خودی پر زور دیا ہے۔ ان کے کلام کا مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئیے۔ چنانچہ اتحاد اور یک جہتی کے متعلق فرمایا ہے۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے ۔ نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

دنیا کی بھلائی اسلام کے غلبہ میں ہے۔ حضور پاک صلعم کی ہجرت کے واقعہ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے کہ آپؐ نے اسلام کی خاطر اپنا پیارا وطن چھوڑا اور انہیں مجبوراً ہجرت کرنی پڑی۔ کیونکہ آپؐ انسانیت کی بہتری اور اسلام کے غلبہ کیلئے دن رات کوشاں تھے۔ مسلمان کے دل میں تحفّظ وطن اور ترقیٔ وطن کا جذبہ دل میں ہمیشہ موجزن ہونا چاہئیے اور وقت آنے پر اس کے لئے اپنا مال۔ اور اپنی جان کے جہاد کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہئیے۔ اور وقت آنے پر اس کے لئے اپنا مال، اور اپنی جان کے جہاد کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہئیے

کسی ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے ملکی استحکام ضروری ہے۔ استحکام کا مطلب یہ ہے کہ ملک کی فوجی تعلیمی اور مالی حالت اس حد تک قابلِ رشک ہو کہ مزدور بھی ملک کے خوشحال ہوں اور ملک کو اس سلسلہ میں خود کفیل بنانے کے لئے حتی الوسع کوشش کرنی چاہیئے تاکہ کسی دوسرے ملک کا دست نگر نہ ہو۔ ملکی استحکام کے لئے قومی اتحاد اور یک جہتی اشد ضروری ہے اس کے بغیر کوئی ملک بھی ترقی نہیں کر سکتا۔ ملکی اتحاد سے اندرونی سازشیں ختم ہو جاتی ہیں بیرونی دشمن بھی اس اتحاد سے گھبراتا ہے۔ جو قومیں، قومی آزادی اور اپنے وقار کے لئے مرنا اور جینا جانتی ہیں ان کے سامنے وسائل کی کوئی کمی معنی نہیں رکھتی۔ ان کی جدو جہد کا تمام تر انحصار ذوق تعمیر حسن اتحاد اور جذبے کی بے کراں قوت پر ہوتا ہے۔! وہ پہاڑوں اور سمندروں سے بھی ترقی کے خزانے حاصل کرتی ہیں آزاد قوموں کا یہ شیوہ نہیں ہوتا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے دوسروں کی مدد پر انحصار کریں۔ ایسا کرنے والی قومیں مستقبل میں اپاہج ہو جاتی ہیں اور انہیں کسی وقت بھی آسانی سے نیست و نابود کیا جا سکتا ہے۔،

ملک یا دین اسلام کو دشمنوں کی طرف سے حملے کا خطرہ ہو تو جہاد مسلمانوں پر فرض اولین ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں جس مسلمان کے دل میں جہاد کی نیت نہ ہو جس کے پیش نظر اپنی جان یا مال و دولت رہے اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے ترجمہ:۔" اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا خدا کے لئے ہو جائے۔" ! ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے لئے جہاد تمام عبادتوں سے افضل ترین عبادت ہے۔

آج ہمارے ملک میں بیروزگاری کا دور دورہ ہے زندگی کی ہر سطح پر بدنظمی اور انتشار نظر آرہا ہے۔ کوئی فرد دوسرے فرد کی پرواہ نہیں کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے کا زمانہ لوٹ آیا ہے اگر مسلمان قوم اب بھی نہ سمجھی تو مستحکم ہونے کے بجائے کمزور ہو جائے گی۔ اگر ہمارے ملک کے خوشحال لوگ فسق و فجور میں مبتلا نہ ہوں۔ احکام خداوندی اور شریعت محمدی پر دل و جان سے عمل کریں تو ہمارا ملک ترقی کی راہ

پر یقیناً گامزن ہو سکتا ہے۔

حُبّ الوطنی ایک فطری جذبہ ہے جس فضا، ماحول اور وطن میں انسان پیدا ہوتا ہے اُسی سے دلی لگاؤ رکھتا ہے۔ انسان میں وطن سے محبت کا فطری لگاؤ کیوں موجزن رہتا ہے؟ یہاں انسان جنم لیتا ہے وہاں کی آب و ہوا اور اس جگہ کا ماحول اس کے دل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے۔ جوں جوں انسان کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے فکر و نظر میں بھی وسعت آتی جاتی ہے۔ آدمی خواہ کہیں بھی چلا جائے وہ ہمیشہ اپنے وطن واپس لوٹنے کی خلش کو اپنے سینے میں موجود پاتا ہے یہی جذبہ انسان کو وطن کی فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ مادرِ وطن کی حفاظت کے لئے ابھارتا ہے وطن کی خاطر اسی جذبہ سے انسان سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے توپ و تفنگ سے لڑ جاتا ہے اور مسکراتے ہوئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے۔ ضرورت پڑنے تو اپنی جان عزیز ملک و ملت کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ ایسے انسان پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ ؟

ملک کے اندرونی امن کا دارو مدار جذبۂ حب الوطنی پر ہے۔ جب تک کسی ملک کے سیاست دان۔ حکمران۔ طلباء اور دانشوروں میں ملکی فلاح و بہبود اور عوامی بہتری کا جذبہ موجزن نہ ہو تو ملکی استحکام کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی معاشرتی توازن برقرار رہ سکتا ہے

حُبّ الوطنی کا جذبہ ملکی استحکام کے لئے ایک مضبوط بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے دنیا میں ترقی یافتہ قوموں نے حب الوطنی کے جذبہ کے تحت ہی اجتماعی ترقی کی ہے۔ ایسے ملکوں کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں سیاست دان بھی ہیں اور حکمران بھی حزب اختلاف کے لیڈر بھی ہیں اور طلباء بھی کاروباری تاجر بھی ہیں اور مزدور بھی۔ سائنس دان بھی ہیں اور فیکٹریاں میں کام کرنے والے کاریگر بھی۔ کسان بھی ہیں اور نظام حکومت چلانے والے افسر بھی۔ غرضیکہ ہر شخص جذبۂ حب الوطنی سے سرشار اپنا اپنا کام بہ احسن و خوبی سرانجام دیتا ہے۔ !

جذبہ حب الوطنی ہی ایک ایسا جذبہ ہے جو کسی ملک کے باشندوں کو اندرونی انتشار و

خلفشار سے باز رکھتا ہے۔ !

کسی ملک کی اندرونی ناچاقیاں۔ فتنہ و فساد، صوبائی و لسانی تعصبات کے تحت لڑائی جھگڑے ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ملک اقتصادی طور پر کمزور ہو جاتا ہے اور دشمنوں کو ایسے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں کہ وہ اسے ختم کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں دشمن کو اندرونی خلفشار سے شہ ملتی ہے۔ چنانچہ حب الوطنی کا جذبہ نہ ہونا گویا ملک اور قوم کی سالمیت خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جس قوم میں سے جذبہ حب الوطنی ختم ہو جائے تو وہاں لاقانونیت پھیل جاتی ہے۔ اور پھر جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہوتا ہے اور اس ملک کے عوام کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔

حبّ الوطنی اور وطنیت، کے مفہوم میں بہت بڑا فرق ہے حب الوطنی انسان میں ولولہ جرأت، بہادری اور وسعت قلب و نگاہ پیدا کرتی ہے جب کہ وطنیت اس کے برعکس تنگ نظری پیدا کرتی ہے۔ !

سقوط مشرقی پاکستان کا المیہ وطنیت اور تنگ نظری کا ہی نتیجہ ہے۔ وطنیت کا دائرہ محدود ہے۔ جب کہ حب الوطنی کا پیغام امن درس۔ بھائی چارے اور ہمدردی پر ہوتا ہے۔!

حبّ الوطنی کا پیغام ہمیں زندہ رہو، اور زندہ رہنے دو کا سبق سکھاتا ہے اسی جذبہ حُبّ الوطنی کی آج ہمیں دوسری قوموں سے بدرجہ اتم ضرورت ہے کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کا نصب العین حکمرانی نہیں بلکہ دین اسلام کی بالادستی ہے جس کا مطلب خدا کی زمین پر امن و آشتی اور دائمی استحکام پیدا کرنا ہے۔ دنیا کی بھلائی اسلام کے غلبہ میں پنہاں ہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس کے دامن میں حبّ الوطنی کا جذبہ تیزی سے پروان چڑھتا ہے۔ رنگ و نسل، صوبائی عصبیت اور لسانی جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے برعکس ملک میں اخوت و محبت اپنا دامن پھیلا دیتی ہے اور تخریبی عناصر کی سرگرمیاں نہ صرف رک جاتی ہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ !

تزکیۂ نفس اور باطن کی صفائی

تزکیۂ نفس اور تزکیۂ باطن کے ذریعے اہل عرفان اور اہل فقر کا مقام و مرتبہ حاصل کرنے والوں کو اولیاء کہتے ہیں۔ محققین کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ افلاطون کہتا ہے کہ "مجھ پر ہزارہا ایسے مسائل ظاہر ہوئے جن کے لئے میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یعنی وہ مسائل دلائل و براہین کے ذریعے نہیں بلکہ کشف و مشاہدہ کی بدولت ظاہر ہوئے جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کا نتیجہ ہے۔

شیخ بوعلی سینا لکھتے ہیں۔" جو شخص معرفت الٰہی کے حصول کا خواہاں ہے اسے چاہئیے کہ درجہ بدرجہ ترقی کرے۔ یہاں تک کہ حق الیقین یعنی اہلِ مشاہدہ میں سے ہو جائیے "

تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی راہ میں بے شمار مصائب و خطرات ہیں کیونکہ شیطانی وسوسے اور نفسانی خواہشات اکثر اوقات سالک کو راہ راست سے بھٹکا کر فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور انسان دنیاوی لذات میں پھنس کر دین و دنیا سے محروم ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ حسرت و وبال کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ انسانی کمال کو صاحب کمال ہی پہچان سکتا ہے اکثر ریاکار لوگ پرہیزگاروں کے لباس میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ عام لوگ جن کی پہچان صحیح نہیں ہوتی۔ ان ناقصوں کو صاحب کمال سمجھ کر ان کی خدمت میں عمر گراں مایہ صرف کر دیتے ہیں۔ دولت لٹاتے وقت ضائع کرتے ہیں لیکن وصول کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اکثر علماء اہل طریقت اور مرشد کامل کی پہچان ظاہری طریقے پر کرتے ہیں۔ اگر سالک علوم رسمی سے عاری ہوگا تو وہ افراط و تفریط سے محفوظ نہیں رہ سکے گا اور وہ نفس امارہ کا شکار ہو کر روحانیت سے محروم ہوگا۔ کیونکہ وہ احکام خداوندی اور شریعت محمدی کی پیروی سے قاصر ہوگا۔ اس لئے رسول پاکؐ نے فرمایا ہے کہ:۔

"خدا تعالیٰ ہرگز کسی جاہل کو اپنا دوست نہیں بناتا" ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ:۔

"دو شخصیتوں نے میری پیٹھ توڑ دی - ایک عبادت کرنے والے جاہل نے اور دوسرے اس عالم نے جو علم اور دین کی ہتک کرتا ہے۔"

انسان حقیقی کمال کس طرح حاصل کر سکتا ہے - خلافتِ الٰہی ہی دراصل انسانیت کا کمال ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کمال انسان کو کس طرح حاصل ہو؟ وہ کون سا راستہ ہے جس پر چل کر فی الواقع انسان دنیا میں خدا کا نائب کہلانے کا مستحق ہو اور اس کی غایت آفرینش پوری ہو جائے نائب کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کا ہے اس کی مرضی اور منشاء کے مطابق کام کرے - اس کے دل میں تقویٰ کا مقام اور مرکز ہو - وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف اور ارکان دین اسلام یعنی کلمہ - نماز - روزہ زکواۃ اور حج پر عمل پیرا ہو - وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ :-

"اپنے اندر اللہ کے سے اخلاقِ حسنہ پیدا کرو۔"

خدا تعالیٰ کریم ہے - خدا کے نائب یعنی انسان کو بھی کریم بننے کی کوشش کرنی چاہیئے - اللہ تعالیٰ سخی اور رحیم ہے انسان بھی سخی اور رحیم ہے - انسان کے لئے خلافت الٰہی کے مرتبے پر پہنچنے کے دو ذریعے ہیں اور یہی دونوں ذریعے نفسِ ناطقہ کی قوتوں کے لحاظ سے انسانی کمال کے دو درجے ہیں یعنی حکمت بالغہ اور حکمت فاضلہ - بعض حکماء سمجھتے ہیں کہ علم کا دائرہ عمل تک وسیع ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے "جسے حکمت عطا کی گئی - اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی" - ظاہر ہے کہ جب تک عمل نہ ہو - مجرد علم سے خیر کثیر حاصل نہیں ہو سکتی - احادیث نبوی سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے - حکمت سے مراد مطالب حقیقی کا علم اور یقین حاصل کرنا ہے جس کا طریقہ علماء کے نزدیک فکر و استدلال ہے - لیکن اہل طریقت اور صوفیا کے نزدیک باطن کی صفائی اور تزکیۂ نفس ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے - "ہم نے اسے اپنے سے علم سکھایا -" انسان محض علم کے ذریعہ کمال تک نہ پہنچ سکتا ہے اس کے لئے عمل کی اشد ضرورت ہے -

حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ علم بغیر عمل کے وبال ہے۔ اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تزکیۂ نفس اور باطن کی صفائی کے لئے علم اور عمل لازم و ملزوم ہیں انسان کو چاہیئے کہ اپنے قویٰ اور افعال کو منظم و مرتب کرے تاکہ ان میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے اور اس سے نیک عمل اور سیرت و کردار کا نمایاں ظہور ہو۔

جب انسان علم حاصل کر کے خدا تعالیٰ کے احکام اور رسول پاکؐ کی اطاعت کرتا ہے تو اُسے علمی اور عملی دونوں قوتوں کا کمال حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خلافت الٰہی کے رتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کی محنت ٹھکانے لگتی ہے اسے خدا کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے دور کا ایک کامل انسان بن جاتا ہے اور پھر اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔

خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے سالک کو سخت خطرات اور مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ اکثر اوقات شیطانی وسوسے اور نفسانی خواہشات اسے غلط راستے پر گامزن کر دیتے ہیں اور پھر انسان نفسانی خواہشات اور دنیاوی لذات کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ رمضان شریف کے مبارک مہینے میں اجناس خوردنی مہنگے داموں بیچتا ہے اس کے اندر کا ضمیر کہیں سو جاتا ہے رشوت لینے سے نہیں چوکتا، بددیانتی اس کا روزمرہ کا اصول بن جاتی ہے انصاف کی گردن پر وہ بلا کسی جھجک کے چھری چلانے لگ جاتا ہے۔ دنیاوی مفادات کے لئے قدم قدم پر جھوٹ بولتا ہے۔ وہ فریب نفس میں مبتلا ہو کر بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ روزہ رکھ کر خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عبادت کر رہا ہے؟ حالانکہ ایسا روزہ محض بھوکا مرنے کے مترادف ہے اور محض بھوکا رہنا کوئی نیکی نہیں روزے کے لئے تو تزکیۂ نفس اور باطن کی صفائی بہت ضروری اعمال ہیں۔

ہمیں چاہیئے کہ جو امورِ انسانی قدرت اور اختیار میں نہ ہوں۔ انہیں خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں اپنے پروردگار کی تعظیم و حمد کریں۔ کیونکہ اس نے ہمارے کسی سابقہ استحقاق کے بغیر اپنے جود و کرم سے ہمیں پیدا کیا ہے اور گوناگوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔!

تمام انسان ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں اپنے عزیز و اقارب کو اپنی ثروت اور رفاہیت

میں شریک کرنا قرابت ظاہری کی طرح قرابت معنوی کے حقوق کی نگہداشت کرنا بھی نیکی ہے۔!
کسی شخص سے جو نفع پہنچے اسے اس کے برابر، بلکہ اس سے زیادہ نفع پہنچانا چاہیئے۔ لیکن اگر کسی سے
نقصان پہنچے تو اس کے برابر بدلہ لینا جائز ہے۔ جیسے ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔!
اور اگر جذبۂ رحم سے کام لے کر معاف کر دے تو یہ انتہائی مستحسن عمل ہوگا۔ جس کا اجر خدا کے ہاں
محفوظ ہے۔!

دوسرے کے حقوق ادا کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ حقوق ادا کرنا واجب ہے اس
میں احساس وغیرہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔

ہمیں اپنے آپ کو شیطانی اور نفسانی خواہشات سے پاک کر کے اپنا تعلق ذات حقیقی
سے وابستہ کرنا چاہیئے۔ ہر وقت ذکر الہٰی اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہ کر اپنے آپ کو
شریعت حقہ، اور سنتِ رسولؐ کا پابند کرنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نیک
بننے کی توفیق دے۔ آمین! ×

انسانی معاشرت کے بنیادی اصول

کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نے انسانوں کو پہلا سبق یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے اور پوری انسانی نسل ایک دوسرے کی معاون ہے اسلام ایک سچا دین ہے اور اس کا منشار تمام انسانوں کو ترقی۔ خوشحالی۔ آزادی، اور خود مختاری کی نعمتوں سے مالامال کرنا اور معاشرے میں معاشی انصاف قائم کرنا ہے۔ اسلام تہذیب و شرافت کا وہ چشمۂ فیض ہے جس سے ہر انسان مستفید ہو سکتا ہے اسلام میں نہ ہی نسلی امتیاز کی کوئی گنجائش ہے اور نہ جغرافیائی حدود کی۔ انسان پیدائشی طور پر جماعتی اور تمدنی زندگی کا محتاج ہے۔ ابتدار خاندان سے ہوتی ہے۔ بعد ازاں کنبہ اور قبیلہ بنتا ہے اور پھر معاشرہ تشکیل پاتا ہے انسان خود بھی معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بقولِ اقبالؒ

؎ فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ٭ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

معاشرے کا وجود افراد سے ہے اور افراد کردار سے بنتے ہیں صاحب کردار افراد کے بغیر معاشرے کی کوئی اہمیت نہیں صبر و تحمل۔ صحت مند بحث اور تعمیری تنقید اسلامی سوسائٹی کے نمایاں پہلو ہیں اسلام ہر اس شخص کو معزز۔ مکرم اور محترم قرار دیتا ہے جو نسلی۔ لسانی اور علاقائی تعصب سے پاک ہے اور قوم و ملک کی معاشی۔ سیاسی۔ اقتصادی اور مذہبی حالت بہتر بنانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ علاقائی تعصبات کو ہوا دینا ایسا عذاب ہے جس کا تلخ تجربہ ہمیں مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے ہو چکا ہے۔ اس سے طلبار کی تعلیمی صلاحیتوں کو شدید نقصان پہنچتا ہے اور پوری قوم مایوسی۔ ناانصافی احساسِ کمتری کا شکار ہوتی ہے۔ اسلام میں ایسے نظام کی جو انسانیت کے مقام اور مرتبے کو نہ سمجھ سکے۔ کوئی گنجائش نہیں۔ اسلامی اقتصادی نظام میں معاشی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے اندر کوئی فرد بھی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ضروریاتِ

زندگی سے محروم نہیں رہنا چاہیئے ۔ ہر فرد کا حق ہے کہ اسے اقتصادی لحاظ سے فراغت ہو۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص کو ایک جیسا سامان حاصل ہو اس میں فرق ہو سکتا ہے مگر یہ فرق غیر فطری نہیں ہونا چاہیئے ۔

قرآنِ کریم خدا کی آخری کتاب اور انسانوں کی رہنمائی کے لیے سب سے مقدس کتاب ہے اس کتاب مبین میں ارشادِ خداوندی ہے کہ اسلام وہ عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے جس سے رنگ و نسل کی تفریق کے بغیر خدا کی ساری مخلوق رہنمائی حاصل کرتی ہے اسلام نے خالق سے مخلوق کے تعلق کو محدود نہیں کیا ہے اس کے نزدیک خدا کے سب بندے برابر ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے نسل آدم ایک صاحب عظمت نسل ہے اور تمام انسان مساوی ہیں۔ قبائلی غرور اور تعصب بے حقیقت چیزیں ہیں۔ اسلام صرف عباداتی نظام ہی نہیں ایک سیاسی اور معاشی نظریہ بھی ہے جس میں ہر شخص کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے چونکہ اس میں اعتدال ہے لہذا یہی اس کے قابل ہونے کی دلیل ہے۔ حیات و موت کا سلسلہ سب کے ساتھ یکساں ہے ۔

ہر فرد اپنے اعمال۔ سیرت و کردار۔ مذہب و اعتقاد کا خدا کے سامنے جواب دے گا۔ محب وطن عوام کا کام یہ ہے کہ وہ ملکی فلاح و بہبود۔ اتحاد و یگانگت اور قومی و ملکی سالمیت کے انسانی اصولوں کو فروغ دیں اور ملک کو اقتصادی بحران سے نجات دلانے کے لئے مخلصانہ سعی کریں۔ مسلمان۔ علما۔ ادبا۔ شعرا۔ مدبروں۔ سیاست دانوں اور دانش وروں کا یہ فرض ہے کہ وہ دلائل سے اپنے ہم وطنوں کو سمجھائیں کہ اسلام میں فلاحی ریاست کی ضمانت موجود ہے اور بدلتی ہوئی انسانی اور اخلاقی قدریں اس ضمانت سے متصادم نہیں ہیں لیکن یہ فرائض اس طرح سے ادا ہونے چاہئیے کہ کوئی فرد اسلامی اور جمہوری رواداری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے سب کے ساتھ مساوی سلوک ہونا چاہیئے ۔ اسلام کے نزدیک معاشی زندگی کی بحالی اور اقتصادی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے حکمتِ عملی سے کام لینا چاہیئے اس میں تشدد کے ارتکاب سے گریز کرنا چاہیئے کیونکہ جو لوگ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں اور ہر قسم کے تعصبات کو ہوا دینا ان کا وطیرہ ہے وہ اسلامی تعلیمات کے احیاء اور

سربلندی کے لئے قومی نقطۂ نگاہ سے مفید نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انتہا پسندانہ تصادم خیز سیاست عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کر سکتی ہے۔ جب تک ایک انسان میں خود ایثار و قربانی، محنت و استقلال حب الوطنی اور بے خوفی جیسے اعلیٰ انسانی اقدار نہ ہوں وہ دوسروں کی خیر خواہی کے فرائض کو بہتر انجام نہیں دے سکتا۔

ان حقائق کی روشنی میں مسلمان معاشرے کے لئے قابل غور امر یہ نہیں کہ صرف محنت کش عوام کے حقوق کے لئے جدوجہد کی جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل کا علمبردار ہے وہ خود انصاف سے تہی دامن اور اسلامی جمہوری قوتوں کا حریف تو نہیں ہے اس لئے اس معاملے میں اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ مسلمانوں کو ماضی میں زوال اس وقت ہوا جب کہ عوامی رہنماؤں نے ہر ایک شعبۂ زندگی میں کتاب و سنت کے احکام کے خلاف اللہ کے نیک بندوں سے محبت ترک کی اور اس با اثر طبقے کے غلط نمونے عام انسانوں کی انفرادی زندگیوں پر اثر انداز ہونے لگے۔

گذشتہ سال مشرقی پاکستان کی علیحدگی بھی اسی وجہ سے ہوئی کہ پاکستان کے مسلمانوں نے بالخصوص حکمران طبقہ کے لوگ کتاب و سنت کے احکام کے خلاف اللہ کے نیک بندوں سے نفرت کرتے تھے۔ سمگلنگ۔ بلیک مارکیٹنگ اور ذخیرہ اندوزی جیسے جرائم زوروں پر تھے غریب عوام کا استحصال۔ رشوت خوری۔ کنبہ پروری اور تعصب کی انتہا تھی۔ ہمیں غور کرنا چاہئیے کہ آج مردم بیزاری کی وبا عام کیوں ہے؟ اور کیوں ہر شخص غلط تجربات اور یاس انگیز مشاہدات سے گزر رہا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اب انسانوں میں انسانی خلوص یعنی اُنس مفقود ہو چکا ہے آج انسان مادہ پرست ہے اور نفسِ امّارہ کا شکار ہے اس حقیقت سے تو ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کی تخلیق عناصر اربعہ یعنی آگ۔ پانی۔ ہوا اور مٹی سے ہوئی ہے آج کے انسان میں غصہ زیادہ ہے۔ جلدی طیش میں آ جاتا ہے اور جذبات سے مغلوب ہو کر ہر جائز و ناجائز کردار اور عمل سے نہیں گریز کرتا۔ اسلامی روایات کے تحفظ کرنے اور قرآنی تعلیمات کو فروغ دینے میں

وہ جوش نہیں پایا جاتا جو قوم کو غیر تہذیبی اثرات سے بچانے کے لئے ضروری ہے اسلام دُنیا سے غربت و افلاس کے خاتمے کو اپنا مشن قرار دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی رزق حلال کو بھی ترجیح دیتا ہے۔ اسلامی فلاحی مملکت کا یہ فرض ہے ہے کہ وہ مال جمع کر کے اسے مستحق لوگوں میں تقسیم کر دے۔ اسلامی ریاست کے سیاست دان الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے صرف وعدے ہی نہیں کرتے بلکہ خدا کا حکم اور فرض سمجھتے ہوئے بجالاتے ہیں۔ معاشرتی ارتقاء کے ہولناک اور انسان کش نتائج اشتراکیت فسطائیت نازیت، لادینی جمہوریت، سیکولرازم اور سرمایہ داری جیسی ہولناک تحریکوں کے زیر اثر برآمد ہوتے ہیں بے شک ان تمام تحریکوں میں تھوڑا بہت نظریاتی فرق موجود ہے لیکن ان کی بنیاد ایک ہی ہے اور اس مخصوص طرز فکر نے انسانیت کا مستقبل تاریک اور غیر محفوظ کر دیا ہے۔ تمام مخلصانہ اور پاکیزہ جذبے اور معصوم انسانی قدریں فنا ہو کر رہ گئی ہیں طاقت ور کمزوروں کو دبا لیتے ہیں۔ بلکہ کمزوروں اور ناداروں کے حقوق غصب کر کے زبردستوں کو خوشی محسوس ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ان حالات میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ غرض معاشرتی ارتقاء نے آدمی کو انسان کی بجائے درندہ بنا دیا ہے۔

ایسا زمانہ آگیا ہے کہ وہ تمام باتیں جو آج سے قبل نیکیاں شمار ہوتی تھیں وہ آج برائیاں بن گئی ہیں۔ خود غرضی لالچ اور مادہ پرستی جیسی مکروہات جدید تہذیب کو معاشرتی ارتقاء کے سلسلے ہی میں عطا ہوئی ہیں۔ ناجائز طور سے کامیابی حاصل کرنے کے رجحان نے انسانوں کو خوفزدہ کر کے غیر مطمئن بنا دیا ہے۔ نت نئی ایجادات کے باوجود بھی انسان وہیں کھڑا ہے جہاں صدیوں پہلے تھا۔ معاشرتی انصاف آج بھی کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔

جذبۂ صدق و ایمان راست بازی درست کردار۔ خوش خلقی۔ غیرت کی تابندہ روایات کہانیاں بن کر کیوں رہ گئیں ؟ مختصر جواب یہ ہے کہ ہم نے اس نظریہ کو فراموش کر دیا ہے کہ دنیائے اسلام میں پاکستان ایک مضبوط حصار کی حیثیت رکھتا تھا۔ غداروں کے ٹولے نے دشمن سے سازباز

کرکے مشرقی پاکستان کو ہندوستان کی باجگزار ریاست بنا دیا ہے اور وہاں بھارت کے زیر سایہ بنگلہ دیش کے نام سے ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کرکے پاکستانی وقار کو ٹھیس پہنچائی ہے۔

معاشی مساوات۔ صوبائی، لسانی تعصبات کے خاتمے اور نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کے لئے اسلامی اخوت کے رشتوں کو مستحکم کرنا پاکستانیوں کے فرائض منصبی میں شامل ہے یہ حقیقت وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ جب تک معاشرتی انصاف کے اسلامی تصوّر کو پاکستان میں پوری طرح پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ بحران اسلامی نظریات سے چشم پوشی اور تغافل کا نتیجہ ہے۔ حکمائے اخلاق کا اس پر اتفاق ہے کہ فتنہ و فساد اور باہمی آویزش میں مبتلا افراد اور قوم تذلیل اور تحقیر و تضحیک کو محسوس تو کرتی ہے مگر ابن الوقتی اور دو رُخے پن اس کے جزوِ زندگی بن جاتے ہیں۔ یہ دیانت داری کا فقدان اعتدال کا وہ راستہ اس سے ترک کرا دیتا ہے جو اللہ کی تمام مخلوق کے لئے مشعل ہدایت ہے۔ قرآن حکیم میں خالقِ کائنات نے آخری اُمت سے فرمایا ہے۔

ترجمہ:- اور ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت ہی اعتدال پر ہے
تاکہ تم مخالف لوگوں کے مقابلے میں گواہ رہو اور تمہارے لئے رسول کریمؐ
گواہ ہوں (سورۂ بقرہ)

ارباب دین و دانش کی اس رائے سے ہرگز اختلاف نہیں کیا جاسکتا کہ اعتدال اور آئین، جمہوریت پر عمل کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ "رام نام جپنا پرایا مال اپنا" کے اصول پر عمل کرنے والوں۔ غنڈوں۔ بدمعاشوں۔ چوروں۔ ڈاکوؤں۔ لفنگوں اور سبز باغ دکھا کر سادہ لوح عوام کو لوٹنے والوں، یا سماج دشمن عناصر اور وطن فروشوں کی حوصلہ افزائی کی جائے! اسلامی آئین جمہوریت میں یہ چیز شامل ہے کہ مفاد پرست تجھ صفت عناصر اور اقتدار کے بھوکوں کو قومی اقدار کے انہدام کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور نہ ہی یہ انسانیت کا تقاضا ہے کہ پاکستان کے وجود اور اس کی حقیقت نہ تسلیم کرنے والوں اور نظریۂ پاکستان کے حامیوں

کو ایک ہی ترازو میں تولا جائے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے معاشرے میں اس قسم کے سماج دشمن عناصر کی ایک کھیپ موجود ہے جس کا اس پر یقین نہیں ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ ہی سے پاکستان کو استحکام نصیب ہو سکتا ہے۔ ؟ یہ گروہ اقتدار، اختیارات اور آسائش دنیا کو حاصل کرنے کے لئے محدود طبقے کی اجارہ داری کا حامی ہے اور ذہنی یکسوئی اور تندہی سے محنت کرنے کو حماقت سمجھتا ہے ان کی ذہانت کا کمال یہ ہے کہ جوڑ توڑ اور ہیر پھیر سے آرام و راحت سے زندگی بسر کی جائے یہ طبقہ مذہب کو افیون کا نشہ سمجھتا ہے یہ عاقبت نااندیش لوگ اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ دولت اور عزت کی آمد و رفت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اسے غلط ذرائع استعمال کر کے اور ہتھکنڈوں سے حاصل کیا جائے۔ تو وہ طاقت کے ساتھ چھین لی جاتی ہے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ چالاکی یا طاقت کے بل بوتے پر حاصل کی ہوئی عزت اور دولت بالکل ایک ریت کی دیوار کی مانند ہے جو ماد و بارا کا معمولی ریلہ بھی برداشت نہیں کر سکتی !

قرآن و سنت کی رو سے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ لوگ اسلامی معاشرے کے دشمن ہیں جو اپنے کاموں میں دیانت سے کام نہیں لیتے اور اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کر وطن عزیز کی خدمت نہیں کرتے۔ شاہراہ حیات میں پیغمبر اسلام (صلعم) کی زندگی اور ان کے فرمودات کو مشعل راہ بنانا چاہئیے۔ یہ مشاہدہ عام ہے کہ جب انسانی معاشرے میں مفاد پرست خود غرض اور مادہ پرست افراد کی کثرت ہو جاتی ہے تو انسانیت کا معیار گر جاتا ہے۔ ادھر لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کی محبت اور انس آہستہ آہستہ مفقود ہوتی چلی جاتی ہے۔ بزرگوں کا ادب و احترام نہیں کیا جاتا اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کی جاتی۔ اخلاقی اور روحانی اقتدار کی حفاظت مہمل اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ فہم و فراست کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے ماحول میں حکمت عملی اور شعور سے تدبر کو اجاگر کیا جائے اور تمام مفاد پرست عناصر کو نظر انداز کر دیا جائے کہ جو عوام کی اخلاقی حس کو مُردہ کرتے ہیں۔ مسائل و معاملات کو صرف مصلحت کوشی سے حل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں

اور حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اپنے نصب العین سے غفلت کرنے والے افراد ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں اور اپنی قوم و ملت کے لئے باعث عار ہوتے ہیں۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس میں ضمیر فروشی۔ وطن فروشی۔ تخریب کاری۔ ذخیرہ اندوزی اقربا پروری۔ ناانصافی۔ غرض تمام برائیاں رد کر دی گئیں۔ جنہیں واضح الفاظ میں شیطانی اعمال میں داخل کر دیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرے میں وہ ننگ انسانیت افراد کسی حوصلہ افزائی کے مستحق نہیں ہیں اور نہ لوگوں کی کوئی اہمیت ہے جو یہ نہیں جانتے کہ اسلام۔ معاشرے سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔؟ اور جو اس ارشاد نبوی سے ناواقف ہیں کہ اصل دانائی خدا تعالیٰ کا خوف ہے اور جن کے نزدیک قابل قبول اور مسلمہ نظریات کی اہمیت ہے بے شک فرزندان اسلام کی اسلامی معاشرت اور اسلامی اخلاق کے کارناموں سے دنیا کی تواریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں!

لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی گرہ میں باندھ لینی چاہیئے کہ وہ لوگ سچے مسلمان تھے جن کے دلوں میں خدا کے احکامات پاس کرنے کی تڑپ موجود تھی۔ آنحضرتؐ کی عملاً عزت و تعظیم کرتے تھے۔ اُن مسلمانوں کو اہل علم و ہنر اور تنقید کرنے والوں سے محبت تھی۔ جن کے فیصلے برمحل اور صحیح وقت پر مبنی بر انصاف ہوتے۔ انہوں نے اعلیٰ اقدار کو اپنایا اور ہمیشہ جبین وقت پر مہریں لگائیں۔ آج بھی اگر لوگ وحدت کے تحفظ کے لئے اور اصلاح معاشرہ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اور اسلاف کی طرح وقت اور صلاحیت کا برمحل استعمال کریں تو آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا"

ے آگ ہے اولاد ابراہیم ہے۔ نمرود ہے کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

معاشی مشکلات کو دور کرنے کے لئے جدوجہد نہ کرنا اور اس صداقت کو دل سے تسلیم نہ کرنا کہ معاشی توازن اور مساوات کا مطالبہ دین فطرت کے مطابق ہے جسے کوئی دانشور نہیں جھٹلا سکتا یہ اجتماعی زندگی میں بہت سی پریشانیوں اور ناکامیوں کو دعوت دیتا ہے اور راحت و کشادگی کی

نعمتوں کی بجائے محرومی میں مبتلا کر دیتا ہے۔جن لوگوں کی سرگرمیاں معاشی عدل و انصاف اور مساوات کے خلاف ہوتی ہیں وہ ذہنی توازن سے محروم ہوتے ہیں وہ ہر ایک کو اپنا دشمن سمجھنے لگتے ہیں ہر ایک کو تحقیق کے بغیر وہ غدار کہنے لگتے ہیں۔ایسے لوگ ہرگز اس کے اہل نہیں ہوتے کہ محسن انسانیت ہادیٔ برحق آنحضرتؐ کے پیغام کو سمجھیں اور جو مسائل درپیش ہیں ان کو قرآن و سنت کی روشنی میں سلجھائیں۔!

عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ملک و قوم کی سلامتی اور استحکام کے لئے ٹھوس بنیادوں پر امن اور معاشی عدل و مساوات کی فضا ہموار کی جائے تاکہ مفاد عامہ کے تمام تر مقاصد اور اصلاح معاشرہ کے لئے جدوجہد کی راہیں کھولی جائیں۔ظاہر ہے جب تک اجتماعیت انصاف اور رواداری کی بنیاد پر معاشرے کو از سر نو استوار نہ کیا جائے ان عظیم مقاصد میں کامیابی مشکل نہیں تو دشوار ضرور ہے۔جو شخص موت کی حقیقت نہ جانتا ہو اسے جاننا چاہئیے کہ موت، سانس کے بند ہو جانے کا نام ہی نہیں۔بلکہ اعضائے بدنی کو استعمال نہ کرنے کا نام بھی ہے۔نفس انسانی باقی رہنے والا جوہر ہے۔جو بدن کے منتشر ہونے سے فنا یا ختم نہیں ہو جاتا۔لہٰذا معاشرے میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو معاشرے کی اصلاح کے لئے بروئے کار لائے اور جس ڈیوٹی پر وہ کام کر رہا ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی یا بددیانتی نہ کرے۔رب العزت نے ہر انسان کو ذہنی سوچ بچار کی استعداد اور خوبیاں عطا کر رکھی ہیں اگر ان خوبیوں کو بروئے کار لایا جائے۔تو عالم عقبیٰ میں ان کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔دین اسلام کی حفاظت کے لئے تمام مسلمانانِ عالم کو متحد ہو جانا چاہئیے نسل و رنگ یا فرقہ بندی کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہنا چاہئیے۔اس طرح ایک کامیاب اور مفید عالمی معاشرے کی تشکیل میں مدد مل سکتی ہے۔علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

ے ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

انسان اشرف المخلوقات

انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ کیوں ملا۔؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ کس وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔؟ فرشتوں کا کام صرف خدا کی عبادت کرنا ہے ان کو پروردگار نے خواہشات سے مبرا کیا ہے۔ حیوانوں کا کام صرف انسان کی خدمت کرنا اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنا ہے ان سے قیامت کے روز حساب نہیں لیا جائے گا۔ لیکن انسان میں فرشتوں اور حیوانوں دونوں کی خصوصیات موجود ہیں۔

کوئی انسان اگر صرف فرشتوں والی خصوصیات رکھتا ہے تو وہ مکمل انسان نہیں ہے اور اگر صرف حیوانوں والی خصوصیات ہیں تو پھر بھی وہ مکمل انسان نہیں بنتا۔ مکمل انسان صرف اس وقت بن سکتا ہے جب اس میں فرشتے اور حیوانوں یعنی دونوں کی صحیح تناسب سے خصوصیات موجود ہوں۔ آج کل کے دور میں انسان میں فرشتوں والی خصوصیات بہت کم ہیں۔! لیکن حیوانی خصوصیات زیادہ ہیں۔!

خدا تعالیٰ نے خاص مقصد کے تحت انسان میں حیوانی خصوصیات پیدا کی ہیں۔ لیکن سلیم اور خدا کو جاننے والا انسان کسی بھی وقت اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ آذان کی آواز سنتے ہی وہ سب کام کاج چھوڑ کر مسجد کی طرف اجتماعی شکل میں سجدہ کرنے کے لئے جاتا ہے۔!

رمضان شریف کے مہینے میں روزے رکھتا ہے بھوکا پیاسا رہتا ہے حالانکہ کھانے پینے کی چیز اور نعمت اس کے پاس ہوتی ہے۔ دن بھر محنت و مشقت بھی کرتا ہے۔ اور دنیاوی لذات سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہے۔ کائنات کے خالق کی یاد ہر وقت دل میں رہنی چاہیئے اور عملی زندگی بھی عین حکم الٰہی کے مطابق ہونی چاہیئے انسان کو اپنی بیوی بچوں اور رشتہ داروں کے حقوق بھی پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اتنی مصروفیات

کے باوجود بھی انسان کا ایک ہی مقصد حیات ہے اور وہ ہے اپنے خالق حقیقی کی عبادت ، اگر فرشتے ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں تو اس سے ان کو انسانوں پر ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کے ذمہ اور کوئی کام دھندہ نہیں لگایا وہ ہر قسم کی خواہشات سے پاک ہیں مزہ تو جب ہے کہ خواہشات اور ذمہ داریاں رکھنے کے باوجود خدا تعالیٰ کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو !۔

دنیا کو دین اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق بسر کرنا بھی عین عبادت ہے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ دُنیا کے نظام کو چلانے کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ انسان نے اپنے ذہن سے نت نئے طریقے ایجاد کر کے دنیا کی ہر چیز کو اپنا تابع بنایا ہے اور اس سے معقول فائدہ بھی اٹھا رہا ہے لیکن جوں جوں وہ خدا کے احکام کی پرواہ کئے بغیر ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اخلاقی طور پر تباہی و بربادی کے عمیق گڑھے میں بھی گر رہا ہے۔ کیونکہ قباحتیں اور بُرائیاں بڑھتی جا رہی ہیں ٹیڈی ازم ہپی ازم اور فیشن پرستی جیسے طور طریقے اختیار کر کے انسان شکلیں بھی بگاڑ رہا ہے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو بڑا پرہیزگار اور زاہد سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم فیشن سے متنفر ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے۔ کسی کی چغلی نہیں کھاتے حالانکہ ان کو یہ کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ رشوت وہ نہیں لیتا جسے کوئی رشوت دیتا ہی نہ ہو۔ ! جھوٹ وہ نہیں بولتا جس کو جھوٹ بولنے سے کوئی خاص دنیاوی فائدہ نہ ہو۔ مزہ تو جب ہے کہ انسان کو رشوت مل رہی ہو پھر بھی نہ لے۔ جھوٹ سے دنیاوی فائدہ ہو۔ لیکن خدا کا خوف دل میں رکھتے ہوئے جھوٹ نہ بولے جس انسان میں یہ سب خوبیاں پیدا ہو جائیں وہی اشرف المخلوقات ہے ورنہ وہ حیوان سے بھی بدتر ہے کیونکہ عقل رکھنے کے باوجود بُرے کام سے باز نہیں آتا۔

پڑوسی کے حقوق

ہمسائیگی کی حدود اپنے مکان کے چاروں اطراف چالیس گھروں تک ہے۔ اس دائرے میں اپنا ہو یا غیر مسلم ہو یا غیر مسلم۔ سب برابر ہیں البتہ ان کے درجوں میں فرق ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ کافر ہمسایہ کا ایک حق۔ مسلمان ہمسائے کے دو اور رشتہ دار ہمسائے کے تین حقوق ہیں۔" ہمسایہ کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کرنا ضروری ہے وہ ہر وقت کے دُکھ درد کا ساتھی ہے اور اس میں برابر کا شریک ہے۔ ہمسائے سے اگر فائدہ پہنچ سکتا ہے تو نقصان پہنچنے کا بھی امکان ہے اس لئے ہمسائے کے ساتھ ایسے مراسم اور تعلقات رکھنے چاہئیں کہ انسان اس کی ایذا رسانی سے بچ سکے اور زیادہ سے زیادہ پیار محبت بڑھے کا امکان ہو۔ عقل مندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حتی الامکان پڑوسی کے تخریبی پہلو سے بچا جائے۔

پڑوسی کے بارے میں آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں" صحابہؓ نے عرض کیا خدا کے پیارے نبیؐ! کون ۔ ؟" آپؐ نے جواباً فرمایا "جس کی برائیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو!" پڑوسی کے حقوق بجالانے کے لئے صبر اور حوصلے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آیا ہے "تمہیں کیا معلوم ہمسایہ کا کیا حق ہے خدا کی قسم ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کی توفیق اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جس کے شامل حال خدا تعالیٰ کی خاص رحمت ہو!"

آج کے دور میں تو پڑوسی ایک دوسرے سے بیگانے اور بے پرواہ ہوتے ہیں اگر کسی غریب پڑوسی کے دن پھر جائیں اور وہ قدرے خوش حال نظر آنے لگے تو اس کے پڑوسی جل بھن کر راکھ ہو جاتے ہیں اور اس ٹوہ میں رہتے ہیں کہ اس کو دولت کہاں سے ملی ہے ؟ یہ خوش حال کہاں سے ہوا۔ ؟ طرح طرح کے بہتان لگائے جاتے ہیں بعض .... پڑوسی محبت اور پیار کی بجائے بیٹھے اسلام کرنے سے بھی کتراتے ہیں۔ جو لوگ پڑوسی کے صحیح مقام کو پہچانتے نہیں چغلیاں کھاتے ہیں لگائی بجھائی کے کردار ہیں تو انہیں بڑا سلیقہ ہے بڑی صفائی سے اپنے ہمسائے کے خلاف منصوبے بناتے ہیں

ہیں جو سراسر مسلمان کی شان کے خلاف عمل ہے ! حدیث میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے
ایک حدیث میں تو یہ کہا گیا ہے کہ "۔ جبرائیل امینؑ نے ہمسائے کے ساتھ نیکی کی اتنی تاکید ہے کہ مجھے
آنحضرت صلعم خیال ہوا کہ اس (ہمسایہ) کو وراثت میں حصہ دار ٹھہرا دیا جائے گا" اگر کوئی پڑوسی
کے حقوق خدا کے فرمان کے مطابق ادا نہیں کرے گا تو وہ قیامت کے روز اپنے ہمسائے کا جوابدہ ہے۔
حدیث میں حضور پاکؐ نے فرمایا" جس شخص نے اس حالت میں رات گزاری کہ اس نے تو خود
پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ مگر اس وقت اس کا پڑوسی رات بھر بھوکا رہا تو سمجھو کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا"
ہمسایوں کو چاہیئے کہ باہمی محبت میں اضافہ کے لئے ایک دوسرے کو تحفے بھیجتے رہا کریں کوئی
ئی چیز پکائی ہو تو ہمسایوں کے گھر بھیجنی چاہیئے پھل فروٹ خرید و تو اس میں ہمسایوں کا حصہ بھیج دو
ایسا نہ ہو کہ اگر آپ پھل یا کوئی اور چیز ہمسائے کے گھر نہ بھیجیں تو آپ کے بچے پھل یا کوئی اور اشیائے
خوردنی لے کر باہر نکلیں تو ہمسائے کے بچے دیکھ کر پھل کے لئے ضد کریں اور پڑوسی اپنی تنگ دستی
کی وجہ سے وہ چیز مہیا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ حضورؐ نے اپنی ازدواج مطہرات کو خاص
طور پر تاکید فرمائی تھی کہ اپنی پڑوسنوں کو تحفہ بھیجیں۔" خواتین کو چاہیئے کہ اگر ان کی پڑوسن کوئی تحفہ
بھیجے تو دل و جان سے قبول کریں کسی کے تحفہ کو کبھی حقیر نہ سمجھیں۔ خواہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔!
آج کل جو لوگ پڑوسیوں کے حقوق سے غافل ہیں ان کے ہاں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ اگر
کسی غریب کے گھر سے پکا ہوا سالن آتا ہے تو دوسروں کی نگاہوں سے بچا کر کہیں پھینک دیا جاتا ہے
ایک مشہور روایت ہے کہ دو صحابی عورتیں تھیں ان میں سے ایک رات بھر نمازیں پڑھا کرتی
دن کو روزے رکھتی صدقہ خیرات میں کبھی تامل نہ کرتی تھیں۔ مگر زبان کی تیز تھیں اور تیز کلامی
کی وجہ سے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں لوگوں نے حضور پاکؐ کو اس بارے میں آگاہ کیا گیا تو آنحضرتؐ
نے فرمایا اگر وہ عورت چاہتی ہے کہ اس کی نمازیں۔ صدقات و خیرات اور روزے بارگاہِ رب العزت
میں قبول ہوں۔ تو وہ اپنے پڑوسیوں کو تنگ کرنا چھوڑ دے۔ ورنہ اس میں کوئی نیکی نہیں ہے اُسے
پڑوسیوں کے معاملہ میں اپنی اصلاح کرنی چاہیئے" اچھے اور بُرے اعمال کے بارے میں علامہ اقبالؒ

نے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی سے وضاحت کر دی ہے۔ عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام میں سے کسی نے حضورؐ سے
صحابی عورت کے بارے میں عرض کیا: وہ صرف فرض نماز ادا کرتی ہیں اپنی بساط بھر معمولی
دیتی ہیں۔ اور انہوں نے کبھی کسی پڑوسن سے تلخ کلامی نہیں کی۔ بلکہ اپنی پڑوسنوں کا خیال
ہیں۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتی ہیں اور ان سے اپنا لب ولہجہ ہمیشہ شیریں رکھتی ہیں
حضور پاکؐ نے فرمایا۔ بے شک پڑوسیوں کا خیال رکھنے والے اور ان کے دکھ سکھ میں
دینے والے لوگ ہی جنتی ہیں۔ ہر ہمسائے کی یہ کوشش ہونی چاہئیے کہ اس کے ہاتھ سے
پڑوسی کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ بلکہ پڑوسی اگر کسی تکلیف یا بیماری میں مبتلا ہوں تو ان کی
کو پہنچے پڑوسیوں کو تکلیف یا بیماری میں مبتلا دیکھ کر چشم پوشی کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح
خلاف ورزی ہے بلکہ اس فعل کو دنیا کی کوئی بھی مہذب قوم پسند نہیں کرتی کہ پڑوسی کو
تکلیف سے چشم پوشی کی جائے۔ بعض ناسمجھ لوگ اپنے ہمسایوں پر "نمائشی رعب" جمانے کے لئے
طرح طرح کی شیخیاں مارتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات کر جھگڑا کھڑا کر دیتے ہیں کبھی بچوں کی وجہ
تو کبھی پانی بھرنے پر لڑائی ہو جاتی ہے۔

پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانا اس قدر وحشیانہ اور انسانیت سوز حرکت ہے کہ حضورؐ
نے قیامت کی نشانیوں میں سے۔ ایک نشانی اسے بھی بتایا ہے۔ پڑوسیوں کو دکھ دینا کافروں
شیوہ ہے۔ کافر پڑوسی، حضور پاکؐ کو طرح طرح سے دق کیا کرتے تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے انہیں
ہمیشہ احسن طریقے سے سمجھایا تاکہ وہ لوگ جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ اوّل تو دکھ اور تکلیف
دینے والے پڑوسی سے بچنا چاہئیے۔ اگر اس نے تکلیف پہنچا دی تو دوسرے فریق کو جسے تکلیف
پہنچے صبر و تحمل سے کام لینا چاہئیے اور درگزر کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ پڑوسی کو اگر مدد یعنی مالی
اخلاقی اور روحانی تسکین درکار ہو تو تیمارداری کرنی چاہئیے اور یہ کبھی خیال بھی نہیں کرنا
چاہئیے کہ میرے اس پڑوسی کا میرے ساتھ سلوک اور برتاؤ بہتر نہیں! پڑوسی بیمار ہو تو اس

کی تیمارداری کرنی چاہیئے اگر اس کا کوئی دوا لانے والا نہ ہو تو یہ کام بھی اسے بخوشی انجام دینا چاہیئے کیونکہ یہ پڑوسی کے فرض میں شامل ہے اگر پڑوسی مرجائے تو اس کے جنازے، اور کفن دفن کے سلسلہ میں اس کا عزیز بن کر حصّہ لینا چاہیئے۔ مرحوم کے پسماندگان سے اظہار تعزیت اور ہمدردی کرنی چاہیئے اور اس کے دُکھ درد میں شریک ہونا چاہیئے۔ پڑوسیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ خلق سے پیش آنا چاہیئے کیونکہ اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور معاشرے کی فضا خوشگوار رہتی ہے۔ پڑوسیوں کی عزت کرنا فرض ہے آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ پڑوسی کی عزت کی جائے آپس میں تعلقات بڑھانے کے لئے جب بھی آمنے سامنے آؤ تو خندہ پیشانی اور خلوص سے اسلام علیکم کہو۔ اس کے بعد ایک دوسرے کے حال احوال دریافت کرنے چاہئیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنے ہمسایوں کے حقوق ادا کرنے کا جذبہ عطا کرے۔ آمین!

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تقاضے

نئے آئین میں ہمارے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے اور اس کی رُو سے ملک کے صدر اور وزیر اعظم دونوں کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے یہ تو ایک مستحسن قدم ہے اب پاکستان کے وسیع تر مفادات کے لئے عوامی حکومت کے وزراء - انتظامیہ اور عدلیہ کے دیگر اعلیٰ افسران کو اسلامی دفعات پر عمل کرنا چاہئیے - ادنیٰ ترین آدمی سے لے کر سربراہ مملکت تک سب پر قرآن سنت کا دیا ہوا قانون لاگو ہوتا ہے اس میں امتیازی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں ہے -

اسلامی نظام حکومت میں حاکمیت صرف خدا تعالیٰ کی ہے - اہل ایمان کی خلافت وہ ہے جس میں مطلق العنانی کے ساتھ کام کرنے کا حق نہیں بلکہ قانون خداوندی کے تحت رہ کر ہی تمام معاملات انجام دیئے جاتے ہیں - قانون خداوندی کے ماخذ خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت ہیں - خدا تعالیٰ فرماتے ہیں" تم پر لازم ہے کہ خدا کی کتاب کی پیروی کرو - جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے - اسے حلال سمجھو جسے اس نے حرام سمجھا ہے اسے حرام سمجھو"

حکومت کے اختیارات اور خدا اور رسولؐ کے احکامات میں یکسانیت ہونی چاہئیے حکومت اور اس کے اختیارات خدا کی امانت ہوتے ہیں لہٰذا تمام ... اختیارات عادل ایماندار اور خدا ترس لوگوں کے سپرد کئے جانے چاہئیں - اس امانت میں کسی شخص کو من مانے طریقے یا ذاتی اغراض کے لئے تصرّف کرنے کا حق نہیں - قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں" خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو - جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو

اسلامی ریاست اور مسلم معاشرے میں اظہار رائے کی آزادی کی بڑی اہمیت ہے اس کے قرآن وسنت میں" امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے یعنی بھلائی کا حکم دینا اور برائیوں کے ارتکاب سے منع کرنا اسلام اسے حق اور ایک اہم فرض ٹھہراتا ہے اس

خداوندی ہے" انسانوں کے لئے کچھ ضابطے مقرر کیے گئے ہیں۔ انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حرمتیں مقرر کی گئی ہیں انہیں نہ توڑو۔ کچھ حدود مقرر کی گئی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے بارے میں سکوت فرمایا ہے ان کی تہ میں نہ پڑو۔"

دہریت اور اسلام کی دشمن طاقتوں سے اس آئین کا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے مسلم معاشرہ کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ کلمہ حق کہے نیکی و بھلائی کی تاکید اور حمایت کرے ملک میں جہاں بھی غلط اور ناروا کام ہوتے نظر آئیں ان کو روکنے کی امکانی حد تک پوری کوشش کرے اگر کسی جرم کا خاتمہ مطلوب ہو تو اس کا واحد حل یہ ہے کہ مجرموں کو عبرت ناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کسی کو وہ جرم کرنے کی جرأت نہ ہو اسلامی قانون کی رُو سے عادی چور کی سزا ہاتھ کاٹ دینا ہے۔ اگر ہمارے ملک میں تین چار عادی چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو چوری کا جرم ہی نہ رہے۔ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والوں کو جہاں بانی کے درج ذیل اسلامی اصولوں پر عمل کرنا چاہیئے۔

(۱) حکومت کی بنیاد عدل و انصاف اور اسلامی قوانین پر ہونی چاہیئے (۲) داناؤں کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے اور جاہلوں، خود غرضوں اور خوشامدیوں سے بچنا چاہیئے۔ یہ چیز حکومت کو دوام بخشتی ہے۔ (۳) شہریوں کی جان و مال اور عزت نفس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ (۴) تمام مشکلات میں ثابت قدمی اختیار کرنی چاہیئے (۵) دینوی معاملات میں رشتہ تدبیر کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ (۶) کمزوروں اور محتاجوں پر رحم کرنا چاہیئے اور ان کی ضروریات پوری کرنی چاہئیں۔ (۷) حکمران اور مخالف پارٹی سے تعلق رکھنے والے عوامی نمائندوں اور وزیروں کے معاملات دونوں سے حکومت کے معاملات سرانجام دینے چاہئیں۔ (۸) حتی الوسیع خود رائی سے بچنا چاہیئے (۹) مظلوموں اور دردمندوں کی حاجت روائی کرنی چاہیئے (۱۰) رعایا کی کوتاہیوں کو نظرانداز کرنا چاہیئے۔ (۱۱) بارگاہِ خداوندی سے نزولِ رحمت کی امید رکھ کر دُعا کا قائل ہونا چاہیئے۔ (۱۲) حکمرانوں کو نظریہ پاکستان سے زیادہ اور اپنے ذاتی مفاد سے کم لگاؤ ہونا چاہیئے۔ (۱۳) ہم سب کو باہمی افہام تفہیم سے قوم و ملک کو مشکلات و مصائب سے نجات دلانی چاہیئے۔ سربراہِ مملکت کو یہ ہرگز زیب

نہیں دیتا کہ وہ کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف تعصب برتے۔ سربراہ کا تعلق سارے عوام سے ایک جیسا ہے اور وہ ہے عدل و انصاف کا تعلق۔ کیونکہ دین اسلام میں سے کسی قسم کا امتیاز جائز نہیں سربراہ مملکت مسلمانوں کے مشورے اور ان کی رضامندی سے مقرر ہونا چاہئیے اور اسے حکومت کا نظام بھی عوام کے مشورے اور ان کی رضامندی سے چلانا چاہئیے۔ خدا فرماتا ہے کہ "مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے چلتے ہیں"۔

آج پاکستان جن حالات سے گزر رہا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم قوم کو ایک بہترین قوم بنائیں۔ اگر ہم واقعی ایک خوش حال اور صحت مند معاشرہ چاہتے ہیں اور پاکستان کی یک جہتی، سالمیت اور اتحاد ہمیں عزیز ہیں تو ہم سب کو ملکی وقار کے لئے کام کرنا چاہئیے۔ قرآن میں خدا تعالےٰ فرماتے ہیں "جو لوگ میرے قانون کو چھوڑ دیں گے میں ان کی معاشی زندگی کو تنگ کر دوں گا اور ایسے لوگوں کو روز قیامت اندھا اٹھاؤں گا"۔

قانون الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ اختیار و اقتدار کو ناجائز استعمال نہ کیا جائے ہر فرد میں ملک و ملّت سے محبّت، خلوص اور بے لوث کام کرنے کی لگن ہو۔ دراصل بے حسی، سنگدلی اور اخلاقی قدروں کی پائمالی قوموں کے زوال کا اسباب ہوتے ہیں۔ حکمران پارٹی اور مخالف پارٹیوں کی چپقلش قوم کی عظمت، سربلندی اور نجات کے منصوبوں کو کامیاب نہیں ہونے دیتی حضور نبی اکرم صلعم کا ارشاد ہے کہ! میرے اصحابؓ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی بھی اتباع کروگے فلاح پاؤگے"۔

نبی کریمؐ نے جو کچھ بھی فرمایا کائنات کی طرف سے انسانیت کے لئے تھا اس لئے وہ صحابہ کرامؓ کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ثبت ہو جاتا تھا اور اس حیرت انگیز اثر کو مکہ والے "جادو" کے نام سے یاد کرتے تھے سرور کائناتؐ کی تعلیمات کو ان بزرگوں نے اپنا کر عملی جامہ پہنادیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو آج کے لوگ یہ سمجھتے کہ نبی کریمؐ کی تعلیم ناقابل عمل تھی ان نورانی شعاعوں سے منور ہو کر وہ ساری دنیا میں روز روشن کی طرح چمکے اور جہاں کی تاریکیوں کو دور کرکے وہ

انسانوں کو اسلامی جامہ پہناتے چلے گئے۔

ہر ایک کی اپنی اپنی خوبی تھی۔ خلفائے راشدین میں سے ہر ایک کسی نہ کسی بات میں یکتائے زمانہ تھا ان کو فراموش کر دینا بڑی احسان فراموشی ہو گی اور ان سے فائدہ اٹھانا خدا کی ناشکری ہو گی۔

اس زمانے میں ان کی زندگیوں پر نگاہ دوڑانا اور سبق حاصل کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے کیوں کہ یورپ اور امریکہ کی تہذیب کے طوفانی سیلاب کے سامنے ہم اپنی پہلی کمزوریوں کے باعث اور بھی گرتے چلے جائیں گے۔

آپ متمول اور ذی ثروت صحابہ کرامؓ مثلاً عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور ذوالنورین سیدنا عثمان غنیؓ جیسے دولت مند صحابہؓ کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ جہاں وہ تبلیغ اور جہاد میں کسی سے کم نہ تھے وہاں وہ دولت مند ہونے کی وجہ سے کچھ ایسی مثالیں قائم کر گئے ہیں جن کی نظیر ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملے گی۔ یہی راہ مستقیم ہے۔ آپ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے تو دنیا میں فلاح پائیں گے۔ ان باتوں کے پیش نظر خصوصیت سے ان دنوں آپ حضورؐ کے صحابہ کرامؓ پر نظر دوڑائیں اور فلاح دارین حاصل کر کے ملک و ملت کے لئے فیض کا باعث بنیں۔

رُوحانی مسّرت

رُوحانی مسّرت اور روحانی تسکین دولت مندی طاقت اور امارت میں نہیں نیز خوشی اختیارات و حکمرانی میں بھی نہیں بلکہ خوشی انسان کے دِلی سکون کا نام ہے۔ جوکہ انسان کے اندر موجود ہوتا ہے مگر اس کا اتہ پتہ صرف اہل دل حضرات کو ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مشاہدے میں آیا ہے کہ بہت سے بااختیار حکمران۔ امراء اور وزراء اور مضبوط جسم والے ناخوش ہیں دلی خوشی اہلِ دل کی نگاہِ کرم اور مدد سے مقام بقاء کی طرف سفر کرنے حاصل ہوتی ہے اہل دل حضرات اپنے معتقد کو شراب طہور کی مستی سے سرفراز کرتے ہیں اُسے فنا کی طاقتوں سے آزاد کرکے دائمی خوشی عطا کر دیتے ہیں۔ انسان کے دل کو مست اور سرشار کرتے ہیں ایسا مست کہ اسے نفسانی خواہشات پر قابو پاکر سکون حاصل ہو جاتا ہے جب محویت اور یکسوئی قائم ہو جاتی ہے تو دل خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے کیونکہ محویت ہی اصل مقام عبادت ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ اصل خوشی فنا کی طرف سفر کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بقاء کی طرف سفر کرنے سے ملتی ہے۔ جو لوگ دولت سمیٹنے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور صرف دُنیاوی جاہ و جلال کے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ بزرگان دین کا احترام نہیں کرتے۔ قرآنی احکام پر عمل نہیں کرتے۔ سُنّت محمدیؐ کی پیروی نہیں کرتے۔ یہ لوگ فنا کی طرف سفر کر رہے ہیں انجام کار یہ لوگ خسارے میں رہیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ دن رات خدا تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ روزانہ پنجگانہ نماز پڑھتے ہیں روزانہ تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھتے ہیں۔ دنیاوی جاہ و جلال سے متنفر ہیں۔ وہ بقاء کی طرف سفر کرنے والے ہیں سچی خوشی۔ انتشار۔ غضب۔ انتقام اور جوش و ولولہ میں نہیں۔ قرآن میں آیا ہے کہ نماز و ذکر الہٰی سے رُوحانی مسرت اور سکون قلب حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمیں حتیٰ المقدور خدا تعالیٰ کی نافرمانی

سے بچنا چاہیئے۔ تاکہ طلب سعادت میں کامیاب ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کی نگاہِ کرم دولت کے انبار سے اچھی ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے سنہری اصولوں پر یقین کامل نہیں رکھتا۔ خدا اور رسولؐ کی نیک باتیں سُنی ان سُنی کر دیتا ہے تو خدا کی طرف سے غم و اندوہ کی سزا اس کے لئے لازم ہے۔ القصہ مُسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں قرآنی اور اسلامی اصولوں سے روگردانی نہیں کرنی چاہیئے۔ قرآن پاک خدا تعالےٰ کا کلام ہے جو مسلمانوں کی ہدایت کے لئے حضور پاکؐ پر نازل ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ قرآن پاک اور احادیث کا ہر طرح سے احترام کریں لیکن آج کے مُسلمانوں کے زوال اور بے اطمینانی کی وجہ یہی ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں سے کلام الہٰی ختم ہو گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روُحانی مسّرت فنا کی طرف سفر کرنے سے نہیں بقاء کی طرف سفر کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ دُنیا عالم کون و فساد ہے۔ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

> زبان نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل۔ دل و نگاہ مُسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہمیں اپنے آپ کو شیطانی اور نفسانی خواہشات سے پاک کرکے اپنا تعلق خالق برحق سے وابستہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی کاروبار کے ساتھ ساتھ ذکر الہٰی ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہ کر اپنے آپ کو شریعتِ حقہؐ اور سنت نبویؐ کا پابند کرنا چاہیئے۔ خدا ہم سب کو سیدھی راہ پر چلائے اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم روحانی مسّرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ سکون محال ہے۔ قدرت کے کارخانے میں ثباتِ اِک تغیر کو ہے زمانے میں۔

رسولؐ نے تمام دنیا کو ایک ہونے کا درس دیا

بنی نوع انسان کو گمراہی اور ذلالت سے بچانے کے لئے خدا نے اپنے انبیاء اس دنیا میں مبعوث فرمائے ان انبیاء نے اپنی امتوں کو شیطان کے شر سے بچانے اور جادۂ حق پر گامزن کرنے کیلئے اپنی تمام عمریں صرف کر دیں۔

خاتم المرسلینؐ کی زندگی کی ابتداء سے آخر تک مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کی زندگی کا ہر لمحہ ایک بہت بڑا معجزہ معلوم ہوتا ہے خاتم المرسلینؐ قیامت تک کیلئے تمام بنی نوع انسان کے ہادی و رہبر ہیں۔ آپ اُس قوم میں مبعوث ہوئے جہاں جاہلیت عروج پر تھی۔ یہاں جاہلیت سے مراد جہالت و بے خبری نہیں بلکہ سرکشی و بغاوت ہے وہ لوگ علم و ادب کے لحاظ سے عروج پر تھے۔ شاعری اُن کی جان تھی لیکن وہ کسی برتری کو تسلیم کرنا اپنے لئے باعث ہتک تصور کرتے تھے۔ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ کہ کوئی ان کا رشتہ مانگ کر ہمیں نیچا نہ دکھائے۔

محسن انسانیت دنیا میں تشریف لائے تو کفر میں ڈوبی ہوئی زندگی ایمان کے نور سے جگمگا اُٹھی۔ اعلٰے اخلاقی قدروں کا بول بالا ہوا۔ مظلوموں کو ظلم سے نجات ملی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی گھناؤنی رسم کا خاتمہ ہو گیا

خاتم المرسلینؐ کی شخصیت رحم و شجاعت کا حیرت انگیز مجموعہ ہے آپ اتنے خوش خلق تھے کہ ہر ادنٰے و اعلٰے سے محبت سے پیش آتے غیروں کے ساتھ شفقت کرتے آپؐ سراپا صبر و تحمل تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے

ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔

آپؐ خاتم النبیین ہیں آپ کا پیغام بھی آخری ہے گویا اس آخری پیغام یعنی دین

اسلام کو پھیلانے کا کام امت محمدی کے سپرد ہے۔ آپؐ ارتقائے انسانیت کے معراج تھے۔ آپؐ کا

طرز زندگی ہمارے لئے اسوۂ حسنہ یعنی مثال اور نمونہ ہے۔

غار حرا میں پہلی وحی کے نزول سے قبل انسانی زندگی ابتری کا شکار

تھی ۱۴۰۰ برس پہلے متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑسی مقام

حرا میں وہ عقدہ جو نہ بڑی بڑی راجدھانیوں میں حل ہو سکا اور نہ عظیم الشان درسگاہوں

اور علم و ادب کے پر شکوہ ایوانوں میں پروردگار نے حضور کی رسالت کی صورت میں عالم

انسانیت پر احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گمشدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی

یہ کنجی ہے ایمان اللہ پر۔ اُس کے رسول پر اور آخرت پر۔ اُس کنجی سے آپؐ نے صدیوں کے

بند قلعوں کو ایک ایک کر کے کھول دیا۔ انسانیت کو نشاط فکر حاصل ہو گیا۔ اور عقل انسانی

اس قابل ہو گئی کہ اس کائنات میں غور کر کے خالق کو پا سکے۔

خاتم المرسلینؐ کی انقلابی تربیت بے مثال تھی آج دنیا میں انتہائی شر و فساد

کے باوجود جو کچھ روشنی نظر آ رہی ہے وہ آپؐ ہی کے طفیل ہے۔ خدا ہمیں بھی حضور کے

اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق دے۔

V-299—P.U.P.—10,000—4-3-1978

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

دینی۔ فلسفی۔ معاشرتی۔ سیاسی اور
اصلاحی مضامین کا مجموعہ

مصنف

راجہ محمد تاج بی اے

E-۳۵۷/ل ڈھوک الٰہی بخش راولپنڈی

کتابت: محمد خالد بھٹی وزیر آبادی

Printed by AUTOPRINT 182. Arndale Centre, LUTON, Beds.